U56422 Date 18-12-09

Title - SHEIKH AL HIND; HAZRAT MAULANA MEHMOOD HASAN SAHAB QIBLA MUHDDIS DEVBANDI KE MUKHTASIR SAWANEH-O-HALAF AISARI MUKHTAR AHMAD ANSARI

Creator - Mukhtar Ahmad Ansari.

Publisher - Taj uddin (Delhi).

Date - 1918.

Pages - 16+44

Subjects - Mehmood Hasan Muhaddis Devbandi - Sawaneh; Tazkira Muhaddiseen; Tazkira Ulma - Devband; Devband - Tazkira Ulma

وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ

سلسلہ حالاتِ نظر بندانِ اسلام

نمبر ۳

شیخ الہند

حضرت مولانا محمود حسن صاحب قبلہ محدث دیوبندی

کے

مختصر سوانح و حالاتِ اسیری

جسے

صدر دفتر

انجمن اعانتِ نظر بندانِ اسلام سنہ ۱۳۳۶ دہلی سنہ ۱۹۱۸ نے شائع کیا

طبع اول دو ہزار

دلی پرنٹنگ ورکس دہلی میں باہتمام لالہ ٹھاکرداس [illegible] چھپا

ا

کون ہے جو آج اپنے خدا کو قرض دے؟

نظربندانِ اسلام کی مالی اعانت

کے لیئے ایک سرمایہ قایم کیا گیا ہے فدائیانِ اسلام اور محبانِ ملت اس کام میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ اگر ہر شخص ارادہ کر لے کہ وہ ہر روز صرف ایک پیسہ اپنے نظربندوں کے لیئے دیا کریگا۔ تو روزانہ کروڑہا پیسے جمع ہو سکتے ہیں!

آپ جو کچھ جمع کر سکیں

انجمن کے خزانچی عبد الرحمن بی اے۔ ایل ایل بی۔ وکیل دہلی کے پتہ پر بھیجدیں کہ یہ کام نہ ہمارا ہے نہ آپ کا، نہ نظربندوں کا بلکہ خدا کا کام ہے!

الملتمس

ڈاکٹر مختار احمد انصاری (ڈاکٹر) عبد الرحمان

سکرٹریان۔ انجمن اعانت نظربندانِ اسلام (دہلی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

ایک مقدس بزرگ

حضرت مولانا مولوی محمود حسن صاحب محدث دیوبندی دامت برکاتہم

دیوبند کے ایک معزز باوقار شریف علمی خاندان کے ممتاز رکن ہیں۔ آپ کے والد محترم جناب مولانا مولوی ذوالفقار علی صاحب مرحوم و مغفور بڑے جید عالم اور ادبیات میں یگانۂ روزگار تھے۔ ہمیشہ علمی خدمات میں مشغول رہے اور بیش بہا علمی ادبی تصنیفات اپنی بہترین یادگار چھوڑ گئے۔ مولانا ذوالفقار علی صاحب کے چار صاحبزادے تھے جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں: حضرت مولانا محمود حسن صاحب۔ مولانا حامد حسن صاحب مولانا حکیم محمد حسن صاحب۔ مولوی محمد حسن صاحب۔ مولانا محمود حسن صاحب دامت برکاتہم چاروں بھائیوں میں بڑے ہیں۔ خدا کی خاص رحمت اور نظر عنایت سے چاروں بھائی اہل علم و فضل تھے ان میں سے مولانا حامد حسن صاحب انتقال فرماگئے اور تین بھائی اب تک زندہ سلامت موجود ہیں۔

حضرت مولانا محمود حسن صاحب نے اپنے فاضل بزرگوار والد کی آغوش تربیت میں

پرورش پانے کے بعد ہندوستان کے مسلّم بزرگ متبحر عالم درویش کامل حضرت
مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ العزیز کی خدمت میں علوم دینیہ کی
تحصیل شروع کی اور اپنی جبلی ذکاوت اور ازلی سعادت اور محترم استاد کی شفقت سے
علوم عقلیہ اور فنون نقلیہ میں اعلیٰ درجہ کی مہارت حاصل کرلی۔ برسوں استاد کی خدمت
میں رہے اور انکی ایسی خدمت کی کہ ابنار زمانہ تعجب کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اگرچہ
حضرت نانوتوی کے شاگردوں میں بڑے بڑے فاضل اور باکمال لوگ پیدا ہوئے
مگر مولانا محمود حسن صاحب کی سی وسعت نظری علوم نقلیہ عقلیہ کی مہارت و دقایق
رسی، نکتہ سنجی معارف شناسی کسی دوسرے میں نہیں پائی گئی وَذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ

تحصیل علوم سے فراغت پاتے ہی درس وتعلیم کی خدمت شروع کردی اور
دیوبند کی مشہور و معروف بلکہ ہندوستان کی ممتاز علمی درسگاہ یعنی دارالعلوم دیوبند
میں تقریباً چالیس برس تک نہایت استقلال۔ یکسوئی۔ صدق نیت اور اخلاص
سے علوم دینیہ کی تعلیم وتدریس میں مشغول رہے۔

دارالعلوم دیوبند کی موجودہ عظمت اور شہرت اوس کے مقدس سرپرستوں
حضرت مولانا نانوتوی وحضرت مولانا گنگوہی نور اللہ مرقدہما کی توجہ باطنی کے بعد
صرف اون کے سچے باکمال جانشین یعنی حضرت مولانا محمود حسن صاحب دامت برکاتہم
کے خلوص کی برکت اور اون کے کمال علمی کی بدولت حاصل ہوئی ہے۔ اگرچہ آپ کو
تمام علوم میں مہارت تامہ تھی مگر خاص فن حدیث میں تو آپ کے فضل و کمال کا
آوازہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پہونچکر دوسری ولایتوں میں بھی گونج
رہا تھا۔ روس و ایران و فارس و عرب و ترکستان وغیرہ وغیرہ سے

طالب علم صرف حضرت مولانا کی خدمت میں حدیث پڑھنے کی غرض سے حاضر ہوتے تھے اور فن حدیث کے بیش بہا انمول جواہرات سے دامن مقصود بھر لیجاتے تھے۔ بہت سے ذکی اور مستعد طالب علم مختلف ملکوں کے مشہور اساتذہ کی خدمتوں میں پہنچنے کے بعد حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے اور حضرت مولانا کی زبان فیض ترجمان سے احادیث نبویہ کے معانی و مضامین سُن کر نہایت انصاف اور سچے دل سے اعتراف کرتے کہ مولانا جیسا فاضل اور باکمال عالم اس وقت دنیا میں موجود نہیں۔ مختلف ملکوں میں تو آپکے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کی تعداد معلوم ہونا بہت مشکل ہے لیکن ہندوستان میں آپکے بلا واسطہ شاگرد ہزاروں کی تعداد میں اور بالواسطہ یعنی شاگردوں کے شاگرد پچیس تیس ہزار سے کم نہوں گے۔ ہندوستان کی کوئی علمی درسگاہ ایسی نہ ہوگی جس میں حضرت مولانا کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد مسند درس و تعلیم پر متمکن نہ ہوں۔

آپکے خاص شاگرد مولوی حسین احمد صاحب مہاجر مدنی خاص حرم مسجد نبوی میں علوم دینیہ کی تعلیم دیتے تھے اور حرم نبوی کے علما و مدرسین میں ممتاز درجہ رکھتے اور نہایت عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور گویا اس طرح حضرت مولانا کا علمی فیض خاص حرم نبوی میں بھی تشنگان علوم کو سیراب کر رہا تھا۔

مدرسۂ عالیہ دیوبند کے موجودہ مدرسین میں اکثر حضرت مولانا کے شاگرد یا فیض یافتہ ہیں۔ جناب فاضل اجل مولانا مولوی انور شاہ صاحب جو ایک باکمال عالم ہیں اور اسوقت مدرسہ دیوبند میں صدر مدرس کی خدمت انجام دے رہے ہیں حضرت مولانا ہی کے روحانی فرزند اور خاص تربیت یافتہ ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم جناب شمس العلماء مولانا مولوی حافظ محمد احمد صاحب یوں تو اس وجہ سے کہ وہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ہیں مولانا کے مخدوم زادہ ہیں لیکن روحانی طور پر وہ بھی حضرت مولانا کے فیض تربیت کے زیر بار احسان ہیں۔ مولانا نے باوجود اس کے کہ حافظ صاحب اون کے تربیت یافتہ اور شاگرد تھے صرف مخدوم زادگی کی وجہ سے ہمیشہ اُن کی وہ عزت کی جو ایک لائق شریف النفس شخص اپنے استادوں یا استاد زادوں کی کرتا ہے۔

غرضکہ ہندوستان کا تمام علمی طبقہ تقریبًا ۳/۴ مولانا سے ہی فیض یافتہ ہے اور اس طرح اگر یہ کہا جائے کہ آپ تمام ہندوستان کے علمی طبقہ کے سردار اور پیشرو ہیں تو بالکل بے جا نہ ہوگا کیونکہ جو لوگ آپ سے بواسطہ یا بلاواسطہ مستفید بھی نہ ہوں وہ بھی آپ کے تبحر اور کمال کے بصدق دل معترف ہیں الا شرذمۃ قلیلۃ لا یعتد ادبھم۔

حضرت مولانا کی علمی روش وہی تھی جو دہلی کے مشہور و معروف اور ہندوستان کے ممتاز علمی خاندان یعنی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب وحضرت شاہ عبد العزیز قدس سرہما کی تھی اور آپ کا علمی سلسلہ اسی خاندان تک منتہی ہوتا ہے۔

علوم ظاہریہ کے اس بے نظیر کمال کے علاوہ آپ علوم باطنیہ میں بھی شیخ کامل کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور علوم ظاہریہ کی تعلیم و تدریس کے علاوہ طالبان حق کی تلقین وارشاد کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ ملکات نفسانیہ کی تہذیب اور اصلاح قلوب بھی ہمیشہ فرماتے رہتے تھے۔ مسلمان آپ کی زیارت کو غنیمت اور خدمت کو ذخیرہ آخرت سمجھتے اور آپ کا فیض صحبت حاصل کرنے کے لیے تمام اقطاع ہندوستان سے

دور دراز سفر کی صعوبتیں برداشت کرکے خدمت اقدس میں حاضر ہوتے اور کفش برداری کو فخر اور وسیلہ سعادت خیال کرتے۔ دن میں حضرت اقدس حدیث وتفسیر کی تعلیم میں مشغول رہتے تو رات کو خدا کے سامنے کھڑے ہوکر خشوع وخضوع تضرع ومناجات میں گذارتے۔ دنیا کی لذت راحت، زینت کا کبھی خیال نہ فرماتے ہمیشہ سادگی اور زہد کے ساتھ زندگی گذارتے اور آخرت کا خیال ہر وقت پیش نظر رکھتے۔ باوجود ان تمام کمالات کے تواضع اور انکسار کا یہ عالم تھا کہ ادنیٰ مسلمان سے اپنے آپ کو حقیر سمجھتے اور ہر شخص کے ساتھ بکمال تواضع وانکسار پیش آتے۔ آپ کے حسن اخلاق اور کشادہ پیشانی کے ساتھ پیش آنے کی وجہ سے ادنےٰ سے ادنےٰ شخص بھی یہ سمجھتا کہ مولانا کو سب سے زیادہ میرے ساتھ تعلق اور محبت ہے مہمان نوازی آپ کا ایک خاص امتیازی وصف تھا۔ مہمانوں میں ہر قسم اور ہر طبقہ کے لوگ شامل ہوتے اور حضرت مولانا بنفس نفیس تمام مہمانوں کی خدمت کرتے، کھانا کھلاتے۔ خود اون کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے۔ اون کے سونے کے لیئے انتظام فرماتے اور ہر قسم کی ضروریات کا خیال رکھتے بسا اوقات اپنے شاگردوں اور مریدوں کے لیئے بھی (جو بطور مہمان ہوتے) اون کے سوجانے کے بعد سرہانے استنجے کے ڈھیلے اور پانی کا لوٹہ بھرکر رکھدیتے۔

الغرض علم وفضل۔ زہد وتقوےٰ۔ صبر وقناعت حلم وتواضع اخلاص وعبادت۔ استقلال واستقامت آپکے ایسے اوصاف ہیں جو مثل دوپہر کے آفتاب کے روشن ہیں۔

آپ کی تمام عمر خلق خدا کی خدمت میں گذری اور آپ کی ذات ستودہ صفات

تمام اوصاف حسنہ کا مجسم نمونہ ہے آپ علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل کے سچے مصداق نیابت رسول کے واقعی مظہر حاملین شریعت مطہرہ کے حقیقی افسر ہیں۔

ایسے پاکباز فدائے ملت کو موجب فرمان نبوی لایؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین بارگاہ رسالت کے ساتھ جس قدر عشق ہو اور روضہ انور کی جاروب کشی کے ساتھ جس قدر شغف ہو تھوڑا ہے اس لیئے باوجودیکہ کئی مرتبہ زیارت حرمین سے مشرف ہو چکے تھے مگر خانہ خدا کی جاروب کشی اور روضہ انور کی خاک بوسی کا شوق آپ کے دل کو ہمیشہ بے چین رکھتا تھا۔

اسی غلبہ شوق کی وجہ سے آپ نے ۱۳۳۳ھ ہجری میں زیارت حرمین شریفین کا ارادہ کیا لیکن اس خیال سے کہ اگر آپ کے باطنی فرزندوں یعنی شاگردوں اور عقیدت مندوں کو اس سفر کی اطلاع ہو گی۔ تو ہزارہا آدمی زیارت اور خدمت کے لیئے حاضر ہوں گے۔ اور اون کی یہ تکلیف آپ کو گوارا نہ تھی آپنے سوائے چند خاص خاص لوگوں کے کسی پر اپنا ارادہ ظاہر نہیں فرمایا۔ یہاں تک کہ روانگی میں بہت تھوڑے دن باقی رہ گئے۔ اب تو کسی نہ کسی طرح لوگوں کو خبر ہونے لگی جس کو خبر ہوئی وہ دیوبند حاضر ہوا۔ تقریبًا روانگی سے ایک ہفتہ پیشتر سے روزانہ دولت خانہ پر سو پچاس آدمیوں کا ہجوم ہونے لگا۔ اور عین روانگی کے دن تو سیکڑوں آدمی دیوبند اور دہلی کے درمیانی اسٹیشنوں پر بھی آکر ملتے گئے۔ دہلی کے اسٹیشن پر ایک بڑا مجمع ساتھ تھا۔ اسی درمیان میں نہ معلوم کس نے اور کس طرح یہ شہرت

اوڑادی کہ مولانا ہجرت کرکے تشریف لیے جارہے ہیں اس خیال سے بہت سے خادم بے چین ہوگئے اور حضرت سے دریافت کیا کہ کیا حضور والا ہجرت کی نیت سے تشریف لیے جارہے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ نہیں بھائی میں نے ہجرت کی نیت نہیں کی ہے۔ ہاں ایک سرسری خیال دل میں ہے کہ اگر خدا نے چاہا تو کچھ عرصہ تک خانۂ خدا کی جاروب کشی اور روضۂ مطہرہ کی خاک بوسی سے مشرف رہوں لیکن یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس ارادے اور خیال سے کب تک قیام کروں گا کیونکہ آب و ہوا کی موافقت یا مخالفت اسباب کی مساعدت ایسے امور ہیں کہ اون کے مستقبل کا کسی کو علم نہیں خدا جانے کیا ہو۔ حضرت اقدس کی اس تقریر سے لوگوں کو اطمینان ہوا اور ہجرت کے ارادے سے جانے کا خیال دلوں سے دور ہو گیا۔ دیوبند کی گاڑی ۴ بجے صبح کے دہلی پہونچی تھی اور دہلی سے بمبئی کی گاڑی ۷ بجے روانہ ہوتی تھی ۳ گھنٹے کے درمیانی وقفہ میں دہلی کے سینکڑوں آدمی اسٹیشن پر جمع ہوگئے اور حضرت اقدس کی زیارت سے مشرف ہوئے اور حضرت اقدس سے اپنے لیے دعا کرائی اور حضور والا کے بخیریت پہونچنے اور بعافیت واپس آنے کیلئے رو رو کر دعائیں کیں۔

سات یا ساڑھے سات بجے گاڑی روانہ ہوئی۔ حضرت اقدس خدا حافظ کہہ کر بمبئی روانہ ہوئے اور سینکڑوں خدام با چشم گریاں و دل بریاں اپنے اپنے مقاموں کو واپس ہوئے۔

سفر حجاز کی پوری مصاحبت کا ارادہ رکھنے والے تین شخص آپکے ہمراہ تھے مولوی عزیز گل صاحب۔ مولوی حاجی خان محمد صاحب۔ اور سید ہادی حسن صاحب خان جہانپوری ان کے علاوہ مولوی وحید بھی تھے جو مولوی حسین احمد صاحب کے بھتیجے ہیں اور ان کا خاندان

مدینہ طیبہ میں مہاجرانہ اقامت رکھتا ہے مولوی وحید بھی مدینہ طیبہ سے صرف تحصیل علم کی غرض سے ہندوستان آئے ہوئے تھے اور حضرت اقدس کی خدمت میں تحصیل علم میں مصروف تھے اور اب اپنے دار الہجرت کو واپس جانے کے ارادہ سے حضرت مولانا کے ہمراہ تھے۔ دہلی سے روانگی کے بعد حضور اقدس بعض اصحاب ....

.... کے اصرار سے رتلام اُترے اور ایک شب و روز قیام فرماکر بمبئی روانہ ہوئے۔ بعض شاگردوں اور ارادت مندوں کے بے حد مگر مودبانہ اصرار سے سُورت اُترے اور غالباً دو تین روز اطراف سورت میں قیام فرماکر بمبئی پہونچے بمبئی میں جناب مولوی سید مرتضیٰ حسن صاحب و جناب مولوی محمد سہول صاحب بھاگل پوری و جناب مولوی مطلوب الرحمٰن صاحب و جناب مولوی محمد میاں صاحب بھی بارادہ حج بیت اللہ پہونچ چکے تھے۔ جہاز کی روانگی میں شاید ایک روز ہی باقی تھا کہ حضور والا بمبئی پہونچے۔ عازمان حجاز جہاز کے ٹکٹ لے چکے تھے دوسرے دن تمام قافلہ روانہ ہوگیا۔

مکہ معظمہ پہونچکر خانۂ خدا کی زیارت سے مشرف ہوئے اور حج بیت اللہ کے ارکان ادا کرنے لگے۔ حاجی خان محمد صاحب جو حضور والا کے خاص خادم اور جان نثار ارادت مند تھے بیمار ہوئے اور ایام حج ہی میں انتقال فرما گئے۔ حج سے فارغ ہوکر مولوی مطلوب الرحمٰن صاحب نے واپسی کا ارادہ کیا اور مکہ معظمہ ہی سے واپس چلے آئے باقی ہمراہیان و حضرت مولانا مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور سید الکونین رسول الثقلین کی زیارت سے

مشرف ہوئے پھر مولوی مرتضیٰ حسن صاحب و مولوی محمد سہول صاحب و مولوی محمد میاں صاحب وغیرہ غالباً ساتھ ساتھ تشریف لائے تھے۔ حضرت مولانا دامت برکاتہم غالباً مدینہ منورہ میں برائے چندے ٹھیر گئے۔ مولانا خلیل احمد صاحب نے بھی وہیں قیام فرمایا اثنار سال میں مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تشریف لائے غرضکہ حضور اکرم سرورنبی آدم صلے اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مطہرہ کی خاک بوسی اور خانۂ خدا کی جاروب کشی جوان مقدس نفوس کا مقصد اعلیٰ اور قیام حجاز سے مقصود اہم تھا اُسی میں مشغول رہ کر باطمینان و سرور قلب دن گذارتے تھے۔

غالباً شعبان ۱۳۳۴ھ میں شریف مکہ نے سلطان المعظم سے بغاوت کی اور مکہ معظمہ کے اطراف میں لڑائی شروع ہوگئی۔ اِس بغاوت کی وجہ سے مکہ معظمہ میں اسباب معیشت کی سخت گرانی ہوگئی نیز موسم کی گرمی اِس شدت کی پڑی کہ ناقابل برداشت ہوگئی اِن وجوہ سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے واپسی کا ارادہ کیا اور آخر شوال یا اوائل ذیقعدہ میں وہاں سے روانہ ہوکر وسط ذیقعدہ میں بمبئی پہونچ گئے۔ مولانا خلیل احمد صاحب مدرسۂ مظاہر العلوم سہارنپور کے صدر مدرس ہیں اور نہایت معمور الاوقات ذاکر شاغل بزرگ ہیں۔ آپ اسی ۱۳۳۳ھ میں حضرت مولانا محمود حسن صاحب سے کچھ روز قبل حج کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ وہیں گیارہ مہینے حجاز میں قیام فرماکر آپ واپس تشریف لائے تھے۔

واپسی میں آپ کے ساتھ آپ کی اہلیہ محترمہ اور حاجی مقبول احمد صاحب اور سید ہادی حسن صاحب بھی تھے۔ بمبئی پہونچتے ہی مولانا کو سرکاری طور پر روک لیا گیا اور پولیس افسروں اور انتظامی حکام نے مولانا کے اظہار اور بیان لیے اور ایک دو

روز اسی کشمکش میں رکھ کر یہ اطلاع دی کہ آپ کو معہ ہمراہیان بحکم گورنمنٹ نینی تال جانا ہوگا مولانا نے نہایت اطمینان قلب کے ساتھ احکام گورنمنٹ کی تعمیل منظور فرمائی چنانچہ سرکاری نگرانی میں آپ معہ ہمراہیان نینی تال کو روانہ کیے گئے۔

سہارنپور اور دیگر مقامات سے کچھ لوگ مولانا کے استقبال کے لیے بمبئی اور بہت سے اشخاص دہلی وغیرہ اسٹیشنوں پر حاضر ہوئے تھے وہ سب یہ معلوم کرکے بے چین ہو گئے۔ کیونکہ مولانا ایک خلوت نشیں زاہد اور سیاسیات (پالیٹکس) سے بالکل اجنبی زندگی بسر کرنے والے شخص تھے۔

مولانا معہ ہمراہیان کے نینی تال پہونچے ممالک متحدہ کی گورنمنٹ کی جانب سے مولانا کے قیام وغیرہ ضروریات کا بندوبست کر دیا گیا اور سنا ہے کہ سید ہادی حسن صاحب کو علیحدہ رکھا گیا۔ مولانا خلیل احمد صاحب سے نینی تال میں متعدد مرتبہ بیان لیے گئے۔ اور اون کے قیام نینی تال کا سلسلہ اچھا خاصہ دراز ہوگیا مولانا کے خدام اور مریدین اور شاگرد جو ہزاروں کی تعداد میں ہندوستان کے مختلف اطراف میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اگرچہ اِس بے موقع اور بے وجہ نظربندی سے بے چین تھے مگر جیسا کہ مسلمانوں کا قومی اور مذہبی شعار ہے اونہوں نے کسی بے قاعدگی اور خلاف آئین طرز عمل کا اظہار نہ کیا اور نہایت صبر و استقلال سے احکم الحاکمین کی بارگاہ میں دعائیں کیں اور نتیجہ کا انتظار کرتے رہے۔

مولانا کے اس طویل قیام نینی تال کے زمانہ میں حکام نے کیا تحقیقات کی اور مولانا سے کس قسم کے سوالات کیے گئے اور کیا کیا باتیں دریافت کی گئیں اور مولانا نے کیا بیان فرمایا۔ یہ تمام واقعات ہمیں معلوم نہیں اور نہ گورنمنٹ کی جانب

سے اس عجیب و غریب نظر بندی کے وجوہ بتلائے گئے۔ غرضکہ یہ تمام باتیں ابتک تاریکی میں ہیں جن پر کسی قسم کی روشنی نہیں ڈالی گئی۔ ہاں مولانا خلیل احمد صاحب کی ایک تقریر سے جو آپ نے جلسہ منعقدہ ۱۷ راکتوبر ۱۹۱۶ء میں فرمائی تھی صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی طلبی اور نظر بندی صرف اشتباہ کی بنا پر تھی جو کسی مخالفانہ خبر رسانی سے گورنمنٹ کو پیدا ہو گیا تھا۔

مولانا خلیل احمد صاحب ابھی نینی تال میں ہی تھے کہ گورنمنٹ نے مولوی مطلوب الرحمٰن صاحب کو دفعۃً ادنکی جائے ملازمت (غالبًا لکھنو) سے نینی تال بُلایا اور اُن کے اظہار و بیانات لیے گئے۔ سید ہادی حسن صاحب کے بھی جداگانہ بیان لیے گئے مولانا خلیل احمد صاحب تقریبًا اٹھارہ بیس روز نینی تال میں اسی حالت نظر بندی میں رہے بالآخر شمس العلما مولوی حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند و مولانا مولوی حبیب الرحمٰن صاحب دیوبندی وغیرہ معلوم نہیں کہ باشارہ گورنمنٹ یا از خود نینی تال گئے اور مولانا خلیل احمد صاحب اور ان کی اہلیہ محترمہ اور حاجی مقبول احمد صاحب و مولوی مطلوب الرحمٰن صاحب ادنکی ہمراہی میں باجازت سر جیمس مسٹن بہادر تشریف لائے مگر سید ہادی حسن صاحب کو روک لیا گیا۔ اور پھر ایک عرصہ کی نظر بندی کے بعد رہا کیا گیا۔ حضرت مولانا محمود حسن صاحب دامت برکاتہم کے متعلق روانگی حجاز تک گورنمنٹ کی جانب سے کسی غیر معمولی دیکھ بھال کا کسی کو علم کیا وہم بھی نہ تھا جہاں تک ہمارا خیال ہے صوبہ کی گورنمنٹ یا گورنمنٹ آف انڈیا کے عمّال وارکان کو حضرت اقدس کے متعلق اُس وقت تک اشتباہ کی کوئی وجہ معلوم نہ تھی۔ اس کا بیّن قرینہ یہ ہے کہ

مولانا خلیل احمد صاحب سے تو روانگی حجاز کے وقت بمبئی میں تمام گورنمنٹ نے سوالات بھی کئے تھے۔ کہ آپ عرب کو کیوں جاتے ہیں اور کس ارادہ سے جاتے ہیں اور ہجرت کا قصد ہے یا نہیں وغیرہ وغیرہ مگر حضرت مولانا محمود حسن صاحب سے اس قسم کے سوالات کی بھی حاجت نہیں سمجھی گئی حالانکہ مولانا محمود حسن صاحب مولوی خلیل احمد صاحب کے بعد بمبئی پہونچے تھے اور مولوی خلیل احمد صاحب سے سوالات و تحقیقات پہلے ہو چکی تھی۔ ظاہر ہے کہ مولانا سے اس قسم کی تحقیقات نہ کرنا اس امر کی صاف دلیل ہے کہ گورنمنٹ کو ان کے طرز عمل کے متعلق کوئی اشتباہ نہ تھا اور جیسے کہ عام طور پر اہل اسلام ادائے فریضہ حج کے لئے جاتے ہیں مولانا کا سفر حج بھی ایک خاص اسلامی مذہبی سفر سمجھا گیا اور کسی قسم کی تحقیقات یا نگرانی نہیں کی گئی۔

مولانا محمود حسن صاحب کو ہندوستان چھوڑے ہوئے ایک سال گذر گیا سال بھر کے بعد مولانا خلیل احمد صاحب کی واپسی پر ان کے ساتھ مذکورہ بالا واقعہ پیش آیا معلوم نہیں کہ مولانا خلیل احمد صاحب کے اس واقعہ کے نتیجہ کے طور پر یا اور کسی جہت سے حکام گورنمنٹ کو حضرت مولانا محمود حسن صاحب دامت فیوضہم جیسے مقدس بزرگ، پاکباز، صاف باطن، فدائے ملت، زاہد و مخلص بے ریا کی پاک ہستی کے متعلق کچھ اشتباہ پیدا ہو گیا اور اسی وقت سے یہ مسلسل واقعات شروع ہو گئے۔ جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

مولوی خلیل احمد صاحب و مولوی مطلوب الرحمن صاحب کی رہائی کے بعد مولوی مرتضیٰ حسن صاحب مرادآباد سے بلائے گئے اور ان کے اظہار لئے گئے مولوی

محمد سہول صاحب کے مقامی طور پر کلکتہ میں اظہار لیئے گئے ۔ مولوی محمد حنیف صاحب (جو حضرت مولانا محمود حسن صاحب کے داماد اور بھانجے ہیں) بلائے گئے اور ان کے اظہار لیئے گئے ۔ الغرض کئی مہینے تک یہ سلسلہ برابر قائم رہا ۔

مولوی مسعود صاحب (جو حضرت مولانا محمود حسن صاحب کے داماد اور بھانجے ہیں) ذیقعدہ ۱۳۳۴ھ میں حج کو گئے اور حج بیت اللہ سے فارغ ہوکر واپس آرہے تھے ۔ کہ بمبئی میں اونہیں روک لیا گیا اور وہیں سے زیر نگرانی الہ آباد پہونچائے گئے اور طویل عرصہ تک وہاں رکھے گئے اظہار لیئے گئے اور افواہاً سنا گیا کہ اون پر بہت سختی کی گئی اور تکلیف پہونچائی گئی ۔ تقریباً ایک مہینہ کے بعد اونہیں گھر جانے کی اجازت دیگئی ۔

حافظ جلیل صاحب حضرت مولانا محمود حسن صاحب کے خاص خادم ہیں اونکو دیوبند سے پولیس افسر آکر لے گیا اور کئی دن رکھا اور اظہار و بیان لے کر رہائی دی گئی ۔ ان لوگوں کے علاوہ جہاں تک ہمیں معلوم ہوا ہے مفصلۂ ذیل کثیر التعداد اصحاب سے مقامی طور پر اظہار اور بیانات لیئے گئے ہیں :-

جناب حکیم عبدالرزاق صاحب (دہلی) مولوی محمد شفیع صاحب مدرس مدرسہ مولوی عبدالرب صاحب مرحوم (دہلی) (یہ مولانا مولوی محمود حسن صاحب کے داماد ہیں) مولوی حافظ محمد احمد صاحب شمس العلما مہتمم دارالعلوم دیوبند ۔ مولوی حبیب الرحمن صاحب مددگار مہتمم دارالعلوم دیوبند ۔ مولوی سراج احمد صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند مولوی حکیم محمد حسن صاحب برادر حقیقی حضرت مولانا محمود حسن صاحب ۔ مولوی محمد محسن صاحب برادر حقیقی حضرت مولانا ممدوح ۔ مولوی ظہور محمد صاحب مدرس مدرسہ رڑکی ضلع سہارنپور

مولوی محمد مبین صاحب ۔ حافظ امداد حسین صاحب ارٹ کی ضلع سہارنپور ۔ حضرت مولانا محمود حسن صاحب کی اہلیہ محترمہ اور صاحبزادیوں کے بیانات بھی ایک افسر نے دولت خانہ پر حاضر ہو کر لیئے۔ مولوی انور شاہ صاحب کشمیری قایم مقام صدر مدرس دار العلوم دیو بند۔ مولوی شبیر احمد صاحب مدرس دار العلوم دیو بند حضرت مولانا مولوی شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری ۔ مولانا مولوی نواب محی الدین احمد خان صاحب مراد آبادی قاضی ریاست بھوپال و دیگر اشخاص ۔

ان طلبیوں ۔ اظہاروں اور محدود نظر بندیوں کے علاوہ بہت لوگوں کی تلاشیاں بھی ہوئیں مثلاً جناب حکیم عبد الرزاق صاحب کی دہلی میں ۔ حاجی احمد مرزا صاحب فوٹوگرافر کی دہلی میں ۔ سید نور الحسن صاحب کی رہٹیری ضلع مظفر نگر میں سید ہادی حسن صاحب کی خانجہاں پور میں ۔ مولوی محمد حسین صاحب کی راندیر میں مولوی حمد اللہ صاحب کی پانی پت ضلع کرنال میں وغیرہ وغیرہ

جہاں تک ہمیں معلوم ہوا ہے کسی تلاشی میں کوئی ایسی چیز پولیس کے ہاتھ نہیں آئی جو اشتباہ پیدا کر سکے ۔ مولوی حمد اللہ صاحب پانی پتی کو نظر بند بھی کر دیا گیا ہے اور اب تک اسی حالت نظر بندی میں بمقام موگہ (پنجاب) مقیم ہیں

اسی سنہ ۳۴ ہجری کے حج سے مولوی عبد الحنان صاحب ہزاروی واپس آئے تو اون کو دہلی میں حکام سی ۔ آئی ۔ ڈی نے بلا کر کئی روز تک محدود نظر بندی کی حالت میں رکھا اون کے مکان کی تلاشی بھی لی ۔ اور متعدد مجلسوں میں بیانات لے کر بالآخر رہا کر دیا ۔

الغرض یہاں تو یہ واقعات پیش آئے کہ عمال گورنمنٹ نے نہ معلوم

کس سراغ رسانی کے اعتماد پر لوگوں کو بلا کر یا مقامی طور پر اظہار و بیانات لینے کا طویل سلسلہ قایم کر دیا اور تلاشیاں لے کر اور نظر بندی کے احکام جاری کر کے ایک بے چینی پیدا کر دی۔ ادھر حضرت مولانا محمود حسن صاحب پر کیا گزری اوکی مختصر سرگذشت جو ہمیں متعدد حجاز سے واپس آنے والوں کے ذریعہ سے معلوم ہوئی حسب ذیل ہے :-

حرم خدا کی توہین اور ایک مقدس بزرگ کی معہ رفقا گرفتاری

حضرت مولانا جوار بیت اللہ میں مقیم تھے خدا کے پاک گھر کی زیارت اور حرم کعبہ میں نماز و عبادت۔ آستانہ رب العالمین پر جبہہ سائی۔ تضرع و مناجات اور فارغ اوقات میں تعلیم و تدریس آپکے روزانہ مشاغل تھے۔ ایک پاک ہستی اور وہ بھی مولانا جیسی خدا کے مولا زندگی رکھنے والے کے یہی مشاغل ہوتے ہیں مولانا باطمینان قلب وسرور خاطر فارغ البال ایام زندگی بسر کر رہے تھے کہ نیرنگ حوادث نے ایک عجیب سانحہ پیدا کیا۔

وہ یہ کہ ایک خان بہادر مبارک علی خان صاحب جو اطراف دکن کے رہنے والے تھے مکہ معظمہ پہونچے اور اپنے بعض مددگاروں کی اعانت و امداد سے شریف مکہ کے دربار تک رسائی حاصل کی اور پھر ایک فتویٰ مرتب کرایا جس میں شریف مکہ کے قابل نفرت فعل (سلطان المعظم سے بغاوت) کی تحسین

تھی اور شریف کا اس فعل میں حق پر ہونا ثابت کرنا چاہا تھا اور ترکوں پر کافر ملحد۔ زندیق ہونے کا حکم لگایا گیا تھا۔ فتویٰ مرتب کرانے سے اونکی غرض اصلی جو کچھ بھی ہو اور یہ اُن کا اپنا ذاتی منصوبہ ہو یا کسی دوسرے کی نیابت میں وہ یہہ خدمت انجام دے رہے ہوں لیکن ظاہر یہ کیا گیا تھا کہ شریف مکہ کے اعلان خود مختاری اور حرم مقدس کے اندر خونریزی کی خبروں سے ہندوستان کے مسلمانوں میں جو بے چینی پیدا ہو رہی ہے اس فتوے سے اُس کا دفعیہ مقصود ہے گویا اسلامی روایات کے بموجب شریف مکہ کی بغاوت پر چند خود غرض یا مجبور علمار کے فتوے سے پردہ ڈالنا مقصود تھا۔ مکہ معظمہ کے بعض علمار سے دستخط کرانے میں کامیابی حاصل ہونے کے بعد وہ فتویٰ حضرت مولانا محمود حسن صاحب کیخدمت میں بھی پیش کیا گیا مولانا نے اوسے ملاحظہ فرمایا تو فتوے کا عنوان اس طرح مرقوم تھا۔

علماء حجاز و فضلاء مکہ معظمہ کا فتویٰ

مولانا نے فرمایا کہ اسپر دستخط کرنے سے میں دو وجہ سے معذور ہوں۔ اول یہ کہ عنوان سوال میں ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ فضلا رعرب و علما رمکہ معظمہ کا فتویٰ ہے اور میں ایک ہندی مسافر ہوں۔ دوسرے یہ کہ اس میں ترکوں کے کفر و الحاد پر جن وجوہ سے استدلال کیا گیا ہے اور جو واقعات اون کے ارتداد و زندقہ کی دلیل کے طور پر ذکر کئے گئے ہیں۔ مجھے ذاتی طور پر اون کی صحت و واقعیت کا علم نہیں اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں میں اُس حکم پر دستخط نہیں کر سکتا جس کے دلائل کی صحت کا مجھے علم نہ ہو۔

مولانا کا عذر نہایت صحیح اور معقول تھا مگر جن لوگوں کے یہاں ضمیر فروشی ہی معراج ترقی سمجھی جاتی ہو اور احکام شریعت حقّہ کی خلاف ورزی ہی مرقاۃ کمال ہو اُن کے ضمیر اس جواب سے کب مطمئن ہوسکتے تھے

قاری عبدالحق صاحب اور سید احمد صاحب دوکاندار مکہ یہ دونوں صاحب خان بہادر کے مددگار رہتے تھے۔ تینوں کے دل میں مولانا کے عذر وانکار کی وجہ سے عداوت بیٹھ گئی اور انھوں نے شریف مکہ کے دربار میں مولانا کے خلاف نیش زنی شروع کردی خان بہادر صاحب تو وہ فتوی لے کر چلے آئے مگر ان کے قائم مقاموں اور مددگاروں نے نہ معلوم مولانا کی طرف سے کیا کیا باتیں شریف مکہ تک پہونچائیں اور کیا کیا رنگ آمیزیاں کر کے شریف مکہ کو مولانا کی جانب سے بدگمان کردیا۔

مولانا جس مکان میں مقیم تھے اُس میں حضرت مولانا کے ساتھ مولوی حسین احمد صاحب مہاجر مدنی جن کا تمام خاندان ہندوستان سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں سالہا سال سے سکونت رکھتا ہے اور مولوی حسین احمد صاحب خاص حرم نبوی میں علوم دینیہ کی تعلیم و تدریس میں ممتاز درجہ کے علماء میں شمار کئے جاتے تھے اور مولانا کے خاص شاگردوں میں سے تھے اور صرف حضرت اقدس کی خدمت وصحبت کو سعادت اُخروی خیال کر کے مولانا کے ہمراہ مکہ معظمہ آگئے تھے اور مولوی وحید جو مولوی حسین احمد صاحب کے بھتیجے ہیں اور مولانا کے خادم مولوی عزیر گل صاحب بھی ہمراہ تھے۔

مکہ معظمہ کے ایک معزز اور مشہور تاجر نے سید احمد دوکاندار سے کوئی جلد بنوائی تھی کیونکہ اون کے یہاں جلد سازی کا کام ہوتا تھا وہ جلد بنا کر اون سے داگر

صاحب کی دوکان پر دینے آئے وہاں مولوی حسین احمد صاحب بھی بیٹھے ہوئے
تھے جلد پر مالک یا کتاب کا نام انگریزی حروف میں چھپا پا تھا۔ سوداگر صاحب نے جلد کو
دیکھ کر فرمایا کہ جلد تو اچھی خوبصورت بنی ہے مگر بجائے انگریزی حروف کے اگر عربی
حروف میں نام لکھا جاتا تو بہت اچھا ہوتا۔ سید احمد صاحب نے کہا کہ چونکہ انگریزی
اور عربی دونوں قسم کے حروف رائج ہیں اسلیئے لکھتے وقت کوئی خاص خیال عربی حروف
کا نہیں رکھا گیا۔ اتفاق سے جو حروف ہاتھ لگے آگئے وہی استعمال کر لئے۔ مولوی
حسین احمد صاحب نے فرمایا کہ مکہ معظمہ میں تو انگریزی حروف کا اس قدر رواج
نہ تھا اب ہو گیا ہو تو اور بات ہے۔

سید احمد صاحب کو اتنی بات اون کی طبعی نیش زنی کو ابھارنے کے لیے کافی
تھی اونھوں نے شریف مکہ کے یہاں اسکو اس طرح پہونچایا کہ مولوی حسین احمد جو
مولانا محمود حسن صاحب کے ہمراہیوں میں سے ایک شخص ہے وہ مکہ معظمہ میں بدامنی پھیلاتا
ہے اور لوگوں کو سمجھاتا ہے کہ اب تو مکہ میں انگریزی ہی انگریزی پھیل گئی ہے
اور خدا کا گھر بھی انگریزی اثر کے ماتحت ہوتا جاتا ہے۔ شریف مکہ نے حکم نافذ
کر دیا کہ مولوی حسین احمد صاحب کو گرفتار کر کے قید کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ گرفتار
ہو کر جیل خانہ بھیجدیئے گئے۔

مولوی حسین احمد صاحب جیل خانہ میں گئے اور شریف مکہ انگریزی قنصل
سے ملنے کے لیئے جدہ کو گئے اون کے پیچھے اون کی پیش گاہ سے حضرت مولانا
کے پاس یہ حکم پہونچا کہ چونکہ آپ کو انگریزی حکومت نے طلب کیا ہے اس لیئے
آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ فوراً جدہ جانے کے لیئے تیار ہو جایئے اور یہ کہ آپکے

ہمراہی بھی آپکے ساتھ جائیں گے۔ یہیں پر ایک اور اتفاق دیکھئے کہ چودھری مولوی نصرت حسین صاحب جو اطراف سندیلہ کے رہنے والے ایک معزز شخص ہیں اپنے خاندان کے چند اشخاص کے ہمراہ حج کو گئے تھے حج سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ کا ارادہ تھا مگر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے مابین بوجہ جنگ جاری ہونے کے امن نہ تھا اس لئے نہ جاسکے۔ اُن کے ہمراہیوں نے ہندوستان واپس آنے کا ارادہ کیا چودھری صاحب نے فرمایا کہ میرا دل نہیں مانتا کہ میں بغیر زیارت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہندوستان واپس جاؤں۔ اچھا آپ لوگ ہندوستان چلے جائیے میں کچھ دنوں یہاں ٹھیرتا ہوں اگر کسی طرح ممکن ہوا تو میں مدینہ طیبہ حاضر ہو کر شرف خاکبوسی حاصل کرونگا اور نہیں تو کسی آیندہ جہاز میں ہندوستان آجاؤں گا۔ ان کے ہمراہی تو ہندوستان چلے آئے اور یہ اکیلے مکہ معظمہ میں ٹھیر گئے۔ چونکہ یہ حضرت مولانا کے خادم اور ارادتمند تھے مولانا کو یہ معلوم ہو کر کہ یہ اکیلے رہ گئے ہیں افسوس ہوا اور فرمایا کہ اگر آپ کو کچھ تامل نہ ہو تو اپنے مکان کو چھوڑ دیجئے اور ہمارے پاس ہی آجایئے کیونکہ تنہائی میں علاوہ پریشانی کے مصارف بھی زیادہ بڑھ جائینگے۔

چودھری صاحب نے حضور کی معیت کو غنیمت خیال کر کے اپنے مکان کو چھوڑ دیا اور حضرت مولانا کی خدمت میں آگئے۔ ابھی انہیں آئے ہوئے دو تین ہی روز ہوئے تھے کہ مولانا کو شریف مکہ کا مذکورہ بالا حکم پہونچا اور چودھری صاحب بھی مولانا کے ہمراہیوں میں داخل ہو کر ان کے شریک حال ہو گئے۔

جس روز مولانا کے پاس شریف مکہ کا یہ حکم پہونچا اُسی روز مکہ معظمہ میں اسکی شہرت ہو گئی اور تمام مسلمان بے چین ہو گئے۔ مکہ معظمہ کے معزز اور سر برآوردہ

اصحاب کا ایک وفد شریف مکہ کے محکمہ میں گیا اور کہا کہ مولانا کو کیوں جدہ بھیجا جاتا ہے
اُن کا قصور بتایا جائے ورنہ اِس حکم کو منسوخ کیا جائے۔جواب ملا کہ چونکہ یہ حکم
شریف نے جدہ سے بھیجا ہے اور وہ خود یہاں موجود نہیں اِس لیئے نہ یہ
منسوخ ہوسکتا ہے نہ اسمیں کوئی تغیر و تبدل کیا جاسکتا ہے۔

ارکان وفد نے عرض کیا کہ اچھا کم از کم شریف مکہ کی واپسی تک حضرت مولانا
کی روانگی ملتوی کردی جائے شریف کے آنے پر ہم اونکی خدمت میں عرض معروض
کرلیں گے محکمہ نے باصرار تمام اُس روز مولانا کی روانگی ملتوی رکھی اور اتفاق سے
اُسی رات کو شریف مکہ بھی واپس آگئے۔ صبح کو پھر یہ وفد شریف کے پاس گیا اور
کہا مولانا محمود حسن صاحب ایک گوشہ نشین زاہد بزرگ ہیں۔ آسمان علم کے روشن
آفتاب ہیں۔ دنیا سے بے تعلق خدا کی عبادت اور تضرع و مناجات میں مشغول
رہتے ہیں اون سے ایسا کیا قصور ہوا ہے کہ آپ اون کو جلا وطن کئے بھیجتے ہیں
اول تو جہاں تک ہمارا اور تمام مسلمانوں کا خیال اور عقیدہ ہے وہ بالکل پاک باز
اور بے گناہ ہیں۔ دوسرے اگر بالفرض اون کا کوئی جرم ہے تو اُسے ظاہر کیا جائے
اور اُن سے یہیں باضابطہ مواخذہ کرلیا جائے۔ تیسرے مسلمانوں کے ایک مقدس
مسلّم بزرگ اور فقیرانہ زندگی بسر کرنے والے اور پالیٹکس (سیاسیات) کیا تمام دنیا
سے تعلق نہ رکھنے والے متدین عالم کے ساتھ بلاوجہ ایسی سختی کا معاملہ کرنا تمام
مسلمانوں پر بہت برا اثر ڈالے گا۔ اُمید ہے کہ اس حکم کو منسوخ کیا جائے گا۔

اِس تمام بیان پر جواب ملا کہ مولانا کو انگریزی حکومت نے طلب کیا ہے
اور مولانا انگریزی گورنمنٹ کی ہی رعایا ہیں اسلیئے ہم گورنمنٹ انگریزی کے حوالہ

کیے دیتے ہیں۔

اِس کے جواب میں کہا گیا کہ مکہ معظمہ کی تاریخ میں اسکی کوئی نظیر نہیں کہ کسی با اختیار مسلمان حاکم نے مکہ معظمہ سے کسی کو گرفتار کر کے کسی غیر مسلم حکومت (گورنمنٹ) کے حوالہ کیا ہو اگر آپ نے ایسا کیا تو تاریخ عرب کے اوراق میں قیامت تک حرم خدا کی توہین آپ کی طرف منسوب رہے گی۔

اِس سے پہلے بہت سے لوگ سخت سے سخت جرائم کر کے عرب میں چلے جاتے تھے اور حرم میں پناہ گزین ہونے کے بعد کسی حکومت (گورنمنٹ) کو نہ طلب کرنیکی مجال تھی اور نہ کبھی عرب کی حکومت (گورنمنٹ) نے کسی حکومت (گورنمنٹ) کو اُس کے مجرم حوالے کیے۔ اِس وقت بھی بعض لوگ قتل کے مجرم حرم میں موجود ہیں جو انگریزی حکومت (گورنمنٹ) سے فرار ہو کر عرب میں بے خوف زندگی بسر کر رہے ہیں۔ نیز یہ امر بھی خاص توجہ کے قابل ہے کہ اگر کسی حکومت (گورنمنٹ) کا کسی دوسری حکومت (گورنمنٹ) سے یہ معاہدہ بھی ہو کہ ایک دوسرے کے ملزم حوالہ کر دئے جائیں تو یہ معاہدہ بھی ادن الزامات تک محدود رہتا ہے جو اقتصادیات سے تعلق رکھتے ہوں سیاسی۔ پولٹیکل الزامات اِس معاہدہ کے دائرہ اثر سے باہر رہتے ہیں۔ اور مولانا سے کسی ایسے اقتصادی جرم کے سرزد ہونے کا تو وہم بھی نہیں ہو سکتا جسکی وجہ سے وہ اِس گرفتاری اور حوالگی کے مستحق سمجھے جائیں۔ اِس پر بھی وہی جواب ملا کہ انگریزی گورنمنٹ اپنی رعایا کے آدمی طلب کرتی ہے۔ اس لیے ہم نہیں روک سکتے۔ آخر ارکان وفد مایوس ہو کر باچشم گریاں واپس چلے آئے اور اُسی روز شریف مکہ کی حکومت (گورنمنٹ) کی جانب سے اُسی کی نگرانی میں مولانا جدہ کو روانہ

کردیئے گئے۔ اس وقت مولوی عزیر گل مولوی وحید چودھری نصرت حسین صاحب
اور مولانا چار شخص تھے۔ کیونکہ مولوی حسین احمد صاحب قید میں تھے۔

مولانا کی روانگی کے بعد شریف کو معلوم ہوا کہ مولوی حسین احمد صاحب مدینہ
منورہ کے ممتاز عالم اور خاص حرم نبوی کے مدرس ہیں اور یہ کہ وہ بے گناہ قید کئے
گئے ہیں۔ اور مسلمانوں میں اونکی قید کی وجہ سے بے چینی ہے اسلئے انہوں نے
اُن کی رہائی کا حکم دے دیا۔ مولوی حسین احمد صاحب رہا ہو کر آئے تو دیکھتے کیا ہیں ع

آن قدح بشکست و آن ساقی نماند

نہ مولانا ہیں نہ اون کے ہمراہی اور جب یہ معلوم ہوا کہ مولانا کو اس کیفیت سے
جدہ بھیجا گیا ہے تو اون کی آنکھوں پر دنیا سیاہ ہو گئی اونہوں نے حکومت سے
درخواست کی کہ چونکہ حضرت مولانا میرے استاد اور شیخ ہیں اور میں صرف اُنکی
خدمت گذاری کے لیے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ حاضر ہوا تھا اور اونہیں میرے
پیچھے جدہ بھیج دیا گیا تو حکومت مجھے بھی جدہ بھیج دے۔ شریف کی حکومت نے
جواب دیا کہ انگریزی حکومت (گورنمنٹ) نے آپ کو ہم سے نہیں مانگا ہے اس
لیے ہم آپ کو جدہ نہیں بھیجیں گے۔ مولوی حسین احمد صاحب نے فرمایا کہ اگرچہ
بالخصوص میری طلبی نہ ہو تاہم میں مولانا کے ہمراہیوں میں تو ضرور ہوں اور جبکہ
اون کے دیگر ہمراہیوں کو بھیجا گیا ہے تو مجھے بھی بھیج دیا جائے آخرکار شریف
کی حکومت نے مولوی حسین احمد کو بھی جدہ بھیج دیا اور وہ خوشی خوشی مولانا کی
خدمت میں حاضر ہو گئے۔

جدہ میں مولانا مع اپنے ہمراہیوں کے کچھ دنوں تک سرکاری نگرانی میں

رکھے گئے اور پھر جدہ سے قاہرہ کو روانہ کردیے گئے۔ قاہرہ سے حضرت مولانا کے ہمراہیوں کے خطوط آتے رہے۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہوا ہے خود حضرت مولانا کا کوئی خط قاہرہ سے ہندوستان میں نہیں آیا۔

مولوی حسین احمد صاحب اور مولوی وحید اور مولوی عزیر گل صاحب کے خطوط آئے جن پر سنسر کی مہر ہوتی تھی اور ان خطوں سے معلوم ہوا کہ مولانا اور اُن کے ہمراہی جنگی قیدیوں کے محبس میں رکھے گئے ہیں۔

کئی مہینے وہاں قید رکھکر مالٹا میں منتقل کردیا گیا جہاں اب تک بحیثیت کل حجاج اسیرانِ جنگ کی حیثیت سے مقید ہے۔ مالٹا سے حضرت مولانا کے دو تین خط ہندوستان پہونچے ہیں جن میں آپ نہایت اطمینان قلب کے ساتھ اپنے بچوں۔ نواسوں۔ نواسیوں کو تسلی دلاسا دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ "خدا نے چاہا تو عنقریب ہم تم ملیں گے" سنسر کی مہر خط پر ضرور ہوتی ہے اور تاریخ روانگی سے تقریباً بیس پچیس روز اور کبھی اس سے زیادہ عرصہ کے بعد خط پہونچتا ہے۔

یہ وہ واقعات ہیں جو مختلف ذرائع سے ہم تک پہونچے ہیں ممکن ہے کہ ان کے اندر تاریخوں کا تعین اور ایام وغیرہ کی تعداد میں کچھ کمی بیشی ہوگئی ہو۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ بعض واقعات کی ترتیب میں تقدم تاخر ہوگیا ہو یا کسی واقعہ کی واقفیت مشتبہ ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ ان واقعات کا اکثری حصہ صحیح ہے +

مولانا کی نظر بندی اور ہندوستان کے مسلمان

مولانا کی گرفتاری صفر یا ربیع الاول ۱۳۳۵ھ ہجری میں ہوئی ہے اور یہ وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان کے حجاج[1] واپس آچکے تھے۔ اسلئے بہت دنوں تک تو ہندوستان کے مسلمانوں کو اطلاع ہی نہیں ہوئی جب قاہرہ سے مولانا کے ہمراہیوں کے خطوط آئے تو اون کے گھر والوں کو اور اون سے بعض متعلقین کو خبر ہوئی اور پھر آہستہ آہستہ خبر پھیلتی گئی اور جس جس جگہ اور جن حلقوں میں یہ خبر پہونچتی گئی وہ انگشت حیرت بدندان رہ گئے۔ اور اضطراب و بے چینی پھیلتی گئی اور مسلمانوں نے آئینی حدود کے اندر مولانا کی آزادی کیلئے ہر قسم کی کوشش شروع کردی مثلاً (۱) اخباروں میں مضامین کا سلسلہ شروع ہوا اور استفسارات و استعجابات و مطالبات۔ غرض مختلف اقسام کے مضامین لکھے گئے۔ گورنمنٹ کو توجہ دلائی گئی۔ مولانا کے طرز عمل کے متعلق تمام مسلمانوں کا عام اعتماد اور عقیدہ ظاہر کیا گیا۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہوا ہے حسب ذیل مسلم اخباروں نے مولانا کی نظر بندی کے بارہ میں مضامین لکھے ہیں۔ صداقت کلکتہ۔ جمہور کلکتہ۔ نئی روشنی الہ آباد۔ مساوات الہ آباد۔ مشرق گورکھپور۔ ہمدم لکھنؤ۔ مدینہ بجنور۔ الخلیل بجنور۔ خطیب دہلی۔ الصباح [illegible]

[1] صفحہ [illegible] جو جہاز میں ٹھہرے رہے اور مولانا کی رہائی جدہ کے بعد واپس آئے انہوں نے اپنی واپسی کے بعد تفصیلی حالات بیان کئے

(۲) وزیر ہند بہادر اور وائسرے بہادر کی خدمت میں مولانا و دیگر نظربندان اسلام کی آزادی کے لیئے ہزاروں تار بھیجے گئے۔

(۳) آنریبل سید رضا علی صاحب نے صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ کی قانونی کونسل کے اجلاس میں حضرت مولانا محمود حسن صاحب کی نظربندی کے متعلق سوال کیا۔

(۴) علماء دارالعلوم دیوبند کا ایک وفد ۸ نومبر ۱۹۱۷ء کو سر جیمس مسٹن بہادر لفٹننٹ گورنر صوبہ متحدہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیان کیا جاتا ہے کہ رئیس الوفد مولانا شبیر احمد صاحب نے ایک تحریر پڑھی جس میں علماء دارالعلوم کی طرف سے دیوبند کے روحانی مربی کی آزادی کے لیئے درخواست کی گئی تھی۔ اگرچہ یہ تحریر بوجوہ قابل اشاعت ہونے کے اب تک عام مسلمانوں کے سامنے بے نقاب نہیں ہوئی تاہم ہمیں امید رکھنی چاہیئے کہ انہوں نے تمام ہندوستان کے مسلمانوں اور حضرت مولانا کے ہزاروں روحانی فرزندوں یعنی شاگردوں اور مریدوں کے جذبات کی صحیح صحیح ترجمانی کی ہوگی اور مسلمانوں کے اس عام اعتماد کو جو وہ حضرت مولانا کی بے گناہی کے متعلق رکھتے ہیں۔ صاف طور پر ظاہر کر دیا ہوگا۔

(۵) معزز رئیس حکام ہر طبقہ نے سر جیمس مسٹن بہادر سے مولانا کی رہائی کے متعلق خاص طور پر درخواستیں کیں۔

مذکورہ بالا طریقے ہی وہ ذرائع ہیں جن کے ذریعہ سے آئینی حدود کے اندر کسی نظربند کی رہائی کے متعلق کوشش کی جا سکتی ہے اور قوم کی آواز حکومت کے ارکان کے کانوں تک پہونچائی جا سکتی ہے۔

اور اگرچہ ارکان حکومت اب تک اونکی آواز پر متوجہ نہیں ہوئے تاہم ہمیں اب بھی گورنمنٹ برطانیہ کی روایات آئین طرازی پر نظر ہے اور اُس کے انصاف پر بھروسہ ہے۔

تمام مسلمان احکم الحاکمین شہنشاہِ حقیقی مالک الملک رب العلمین کی پرجلال وجبروت بارگاہ میں تضرع ونیاز کیساتھ سربسجود ہوکر نہایت دردِ دل کے ساتھ مولانا کی جلد سے جلد آزادی کے لیئے شب وروز دعائیں کرتے ہیں۔ اور مولائے حقیقی کے فضل وکرم سے امید رکھتے ہیں کہ وہ لاکھوں مسلمانوں کی صدق و اخلاص سوز وگداز بھری دعاؤں کو ضرور قبول فرمائے گا اور ایک دن آسمان علم وزہد وتقوےٰ کے آفتاب یعنی حضرت مولانا کے جمال پُرجلال سے مسلمانوں کی آنکھیں منور اور قلوب کو مسرور فرمائے گا۔ وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ +

حضرت مولانا محمود حسن صاحب کی نظربندی یا جنگی قید کے وجوہ

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں حضرت مولانا جب تک کہ ہندوستان میں رہے اور ان کے حرکات وسکنات کے متعلق گورنمنٹ کی جانب سے کسی خاص نگہداشت کا ہمیں یا کسی کو کوئی علم نہیں اور ظاہر یہی ہے کہ کوئی خاص دیکھ بھال نہیں تھی جس کی کھلی ہوئی دلیل یہ ہے کہ مولانا

سے حج کو تشریف لے جاتے وقت کسی قسم کا تعرض نہیں کیا گیا اور حقیقت میں بات بھی یہی ہے کہ حضرت مولانا جن کی تمام عمر الٰہیات و اقتصادیات کے معارف اور اعلیٰ مضامین کی تعلیم و تدریس میں گذرے۔ جو ہزاروں نفوس انسانی کی تکمیل کا فخر اور بجا فخر کر سکتے ہیں۔ جو سیاست مدنیہ و تدبیر منزل کے حکیمانہ و فلسفیانہ دقائق کے ماہر ہیں جو رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے تعلیم فرمودہ زرین اصول من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ (آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ غیر مفید امور میں دخل نہ دے) کے فلسفہ سے بہترین واقفیت رکھتے ہیں اون کی نسبت یہ وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی ایسی لایعنی تحریک یا تجویز یا سازش میں حصہ لیں گے۔ جو اون کے اعلیٰ علم و تدین و فہم و فراست تقویٰ و دیانت صدق و وفا، عہد اخلاص و امانت کے خلاف ہو۔ اسی وجہ سے حضرت مولانا کی نظر بندی کا واقعہ مسلمانوں کی نظر میں نہایت تعجب خیز اور اہم واقعہ ہے۔ اور گورنمنٹ کی جانب سے اس عجیب و غریب نظر بندی کے وجوہ و اسباب پر کوئی روشنی بھی نہیں ڈالی گئی۔ ہاں جب آنریبل سید رضا علی صاحب نے صوبہ متحدہ کی قانونی کونسل میں مولانا کی نظر بندی کے متعلق سوال کیا۔ تو اون کو حسب ذیل جواب دیا گیا۔

"مولانا محمود حسن صاحب اس وقت مالٹا میں ایک جنگی قیدی کی حیثیت سے اسیران جنگ کے کیمپ میں جس کا نام فورٹ ورڈاں کیمپ ہے رکھے گئے ہیں (صوبہ متحدہ) کی گورنمنٹ کو خبر دی گئی ہے کہ مولانا کی گرفتاری ہندوستان کی حدود کے باہر عمل میں لائی گئی ہے کیونکہ تحریری اور دیگر اقسام کی شہادتوں سے واضح

پایا جاتا ہے کہ انہوں نے ہز مجسٹی ملک معظم کے دشمنوں کو ان کی فوجی تجاویز میں مدد دی۔" انتہے مختصراً۔

یہ بات قابل غور ہے کہ مولانا کی نظر بندی کی جو وجہ اس جواب میں بتائی گئی ہے وہ کس حد تک معقول ہے۔ اسکے متعلق گزارش ہے کہ اوّل تو یہ بات مولانا جیسے بے تعلق فقیرانہ زندگی بسر کرنے والے پاکباز کے متعلق باور کرنا بہت بعید ہے۔ جو شخص مولانا کے حالات زندگی سے ذرا بھی واقفیت رکھتا ہے وہ اس الزام کو ذرہ برابر وقعت نہیں دے سکتا۔ کہاں مولانا کی بے لوث زندگی اور کہاں ملک معظم کے دشمن اور کہاں فوجی تجاویز میں مدد رسانی دوسرے یہ کہ مولانا نے اگر ایسا کیا تو کب کیا۔ آیا ہندوستان میں موجودگی کے وقت یا ہندوستان سے باہر جاکر۔ اگر ہندوستان میں موجودگی کے زمانہ میں انہوں نے ایسا کیا تو ان کے سفر حجاز سے پہلے گورنمنٹ کو اسکی اطلاع ہوئی یا نہیں۔ اگر ان کی روانگی سے پہلے گورنمنٹ کو اسکی اطلاع ہو چکی تھی تو پھر کیا وجہ کہ ان کو ہندوستان سے باہر جانے دیا اور جاتے وقت کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی گئی۔ اور اگر جانے سے پہلے اطلاع نہیں ہوئی تو ان ذرائع و وسائل خبر رسانی کے اعتبار کی کیا وجہ جنہوں نے ایک (خدانخواستہ) باغیانہ خیال رکھنے والے کے باغیانہ خیالات پر مطلع ہونے کے باوجود اسکی موجودگی کے وقت حکام گورنمنٹ کو کوئی اطلاع نہیں دی۔ اور جب وہ حدود ہندوستان سے باہر چلا گیا تو اسکے خلاف زہر اگلنے لگے۔ اور اگر مولانا نے ہندوستان سے باہر جاکر اس قسم کی کارروائی کی تو

اوس کے ثبوت کی کیا شکل ہے۔

تیسرے یہ کہ کونسل کے اس جواب سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ مولانا کی نظر بندی اگرچہ حدود ہندوستان سے باہر ہوئی مگر ہوئی گورنمنٹ کے اشارے اور حکم سے کیونکہ اس جواب میں گرفتاری عمل میں لائے جانے کی وجہ یہ بتائی گئی کہ مولانا نے ملک معظم کے دشمنوں کو اون کی فوجی تجاویز میں مدد دی اور ظاہر ہے کہ اس الزام کے لحاظ سے مولانا گورنمنٹ انگریزی کے ملزم ہوئے نہ حکومت عرب کے اور اون کی گرفتاری بحق ملک معظم ہوئی نہ بحق شریف مکہ۔ کیونکہ اس جواب میں مولانا پر شریف مکہ یا اونکی حکومت کے متعلق کسی جرم کے ارتکاب کا الزام نہیں بتایا گیا۔

لیکن اس جواب کے بعد جب ہم ۵ ر نومبر ۱۹۱۷ء کو بجواب وفد علماء دیوبند لفٹنٹ گورنر بہادر کے یہ الفاظ سنتے ہیں "میں اس مجلس میں جو کہونگا بالکل صحیح اور صاف کہونگا۔ مجھ سے میرے خاص دوستوں نے اس بارہ میں کہا لیکن میں نے اون سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ مولانا کی نظر بندی ہمارے یہاں اور ہمارے حکم سے نہیں ہوئی۔ شریف نے گرفتار کر کے ہمارے حوالے کیا ہے وہاں کوئی بات ہوئی ہوگی" (الخلیل ۲۴- فروری ۱۹۱۸ء) تو ہمارے تعجب اور حیرت کی کوئی حد نہیں رہتی۔ کیونکہ حکومت کے اعلے ذمہ داران کا ان کی جانب سے ایک ہی واقعہ کے متعلق ایسے مختلف اور متضاد بیانات کا ہونا ناقابل حل معما نہیں تو اور کیا ہے۔ کونسل کے جواب میں ظاہر کیا گیا کہ مولانا کی نظر بندی بحق ملک معظم ہوئی۔ اڈریس رٹھ کی تقریر میں درحسب بیان

سر جیمس مسٹن بہادر بالکل صحیح اور صاف ہے) کہا گیا کہ مولانا کی نظر بندی ہمارے حکم سے نہیں ہوئی۔ حالانکہ بحق ملک معظم نظر بندی کا ہونا ضروری طور پر اسکا مقتضی ہے کہ انگریزی گورنمنٹوں میں سے کسی نہ کسی گورنمنٹ کے حکم سے ہوئی ہو۔ کونسل کے جواب میں نظر بندی کی وجہ ملک معظم کے دشمن کو مدد دینا قرار دیگئی۔ اور میرٹھ کی تقریر میں کہا گیا کہ شریف نے گرفتار کر کے ہمارے حوالے کیا ہے وہاں کوئی بات ہوئی ہو گی۔

کونسل کے جواب میں مولانا پر ملک معظم کے دشمنوں کو مدد دینے کا الزام بیان کیا گیا۔ اور اس الزام کی نوعیت اور پھر حدود ہندوستان سے باہر جاکر گرفتاری عمل میں لائے جانے کا مقتضا یہ ہے کہ یہ الزام مولانا پر ہندوستان کی موجودگی کے زمانے تک گورنمنٹ کے زیر نظر نہیں لایا گیا۔ ورنہ اس الزام کے زیر نظر آنے کے بعد اون کو ہندوستان سے باہر جانے کا موقعہ دینے کے کوئی معنی نہیں۔ لیکن لفٹننٹ گورنر صاحب بہادر میرٹھ کی تقریر میں اظہار کرم کے لہجہ میں فرماتے ہیں "میں نے نہیں چاہا کہ میرے ذریعہ سے اونکو تکلیف پہونچے"۔ سوال یہ ہے کہ اگر اس حالت میں کہ مولانا پر یہ الزام نہیں تھا کسی نے اونہیں تکلیف پہونچانی نہیں چاہی تھی۔ تو اسمیں خاص مولانا کے حال کیلیے کرم۔ رعایا کے وہ تمام افراد جنہیں غیر ملزم ہونے کی حالت میں تکلیف نہیں پہونچائی جاتی۔ اس انوکھے کرم کے زیر بار احسان ہیں۔

اور اگر باوجود اس الزام کے اونہیں تکلیف پہونچانا نہیں چاہا تو پھر جس الزام کو پہلے لفٹننٹ گورنر نے مولانا کی تکلیف رسانی کے لیے کافی نہیں سمجھا

اوسی الزام کو کونسل کے جواب میں اونکی نظر بندی کا سبب کس بنا پر قرار دیا گیا۔
اسی میٹنگ کی تقریر میں لفٹنٹ گورنر بہادر فرماتے ہیں کہ "واقعہ یہی ہے کہ
شریف نے نظر بند کر کے دیا ہے اور میری گورنمنٹ کا اوس سے تعلق نہیں ہے"
اسپر طبعًا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شریف نے کیوں گرفتار کر کے نظر بند کیا۔ اس
سوال کا کوئی جواب سرکاری بیانات میں سوائے لفٹنٹ گورنر صاحب بہادر
کے ان لفظوں کے نہیں ملتا "شریف نے گرفتار کر کے ہمارے حوالے کیا ہے
وہاں کوئی بات ہوئی ہوگی" لیکن ظاہر ہے کہ ہندوستان کے لاکھوں مسلمانوں
کے قلوب کی بے چینی اور اضطراب رفع کرنے کے بارے میں یہ جواب کس قدر
ناکافی ہے۔ اور محض اس بنا پر کہ "وہاں کوئی بات ہوئی ہوگی" ایک ایسے
مذہبی مقتدا کو جنگی قید میں رکھنا اور لاکھوں وفادار مسلم رعایا کی بے چینی اور
دردِ دل کی پروا نہ کرنا کہاں تک مآل اندیشی اور نصفت شعاری سمجھی جا سکتی ہے

پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اگر شریف نے مولانا کو اپنی حکومت کا
مجرم قرار دے کر نظر بند کیا تھا تو اپنے یہاں کیوں نہ رکھا۔ شریف
کی حکومت نے گورنمنٹ انگریزی سے جیلخانہ کا کام لینے میں آخر کیا مصلحت
سمجھی۔ اور خود انگریزی گورنمنٹ نے شریف کی خاطر تمام مسلمانوں کو جو مولانا
کو مقدس پاکباز اور بے گناہ سمجھتے ہیں۔ بدگمان کرنا کس لیئے گوارا کیا۔

اور اگر شریف کی حکومت نے مولانا کو گورنمنٹ انگریزی کی طلب پر نظر بند
کر کے اوسکے حوالے کیا ہے جیسا کہ ہم واقعات نظر بندی میں زبانی خبروں کی بنا
پر لکھ چکے ہیں تو اس حالت میں لفٹنٹ گورنر صاحب بہادر کا بار بار یہ فرمانا

کہ "مولانا کی نظر بندی ہمارے حکم سے نہیں ہوئی۔ میری گورنمنٹ کا اوس سے تعلق نہیں ہے۔ شریف نے نظر بند کرکے ہمارے حوالے کیا ہے وہاں کوئی بات نہیں ہوگی" یہ طفل تسلی نہیں تو اور کیا ہے۔

جہاں تک ہمارا اور عام مسلمانوں کا عقیدہ ہے یہ الزام مولانا کے متعلق محض تہمت سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

رہیں وہ تحریری اور دیگر اقسام کی شہادتیں جن کا کونسل کے جواب میں حوالہ دیا گیا ہے اون کے متعلق ہم ایسی کوئی قطعی رائے قائم نہیں کر سکتے کیونکہ جب تک وہ شہادتیں عدالت کے سامنے نہ آئیں اور قانون و انصاف اونہیں قابل اعتبار نہ قرار دیں۔ اوسوقت تک قابل اطمینان نہیں ہوسکتیں۔

اگر خدانخواستہ مولانا کا ضمیر اس قسم کا ہوتا جیسا کہ اونکو نظر بند یا قید کرنے والوں نے خیال کیا ہے تو ضرور تھا کہ ہندوستان میں اون کے پچیس تیس ہزار ہم خیال موجود ہوتے (کیونکہ اون کے سلسلہ وار شاگردوں یا مریدوں کی تعداد اس مقدار سے ہرگز کم نہیں) لیکن جیسا کہ تجربہ سے ثابت ہوچکا ہے اون کے ہزاروں شاگردوں اور ارادتمندوں سے کوئی ناگوار واقعات ظہور میں نہیں آئے اور سوائے معدودے چند اشخاص کے گورنمنٹ نے بھی ان کے ہزاروں مریدوں اور شاگردوں سے کسی قسم کی تحقیقات نہیں کی اور جن لوگوں کے بیانات وغیرہ بھی لیئے اون کو بھی بالآخر چھوڑ دیا حالانکہ اون کے خیالات اور حالات مولانا کے خیالات وحالات کے ہی عکس اور پرتو ہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ اس صاف اور کھلی ہوئی دلالت حال سے نتیجہ پر نہ پہونچا جائے اور مولانا کے دامن تقدس کو

ہر قسم کے شائبہ شکوک سے پاک و صاف نہ سمجھا جائے۔

اصل بات یہ ہے کہ ہر مقدس ہستی کے ساتھ جہاں بہت سے اُس کے دلدادہ اور جان نثار ہوتے ہیں وہاں بعض لوگ اُس کے دشمن اور حاسد بھی ہوتے ہیں اسی طرح جہاں ذمہ دار اشخاص میں اپنی ذمہ داری کا احساس کرنے والے محتاط بزرگ ہوتے ہیں وہیں بہت سے نا عاقبت اندیش ناتجربہ کار بھی اِس جماعت میں دیکھے جاتے ہیں جو رسّی کا سانپ بنانے اور جہاں سوئی نہ جائے وہاں بھالا گھسانے کو ہی اپنا کمال اور مایۂ فخر سمجھتے ہیں۔ مولانا کے بارہ میں اور نہ صرف مولانا بلکہ اکثر نظر بندوں کے بارہ میں ہمارا یہی خیال ہے کہ وہ نا عاقبت اندیشی ناتجربہ کاری حسد یا خود غرضی کا شکار ہوئے ہیں۔ اور اِسی غلط فہمی کو دور کرنے اور انصاف چاہنے کی خاطر تمام مسلمان آواز بلند کر رہے ہیں*

حضرت مولانا کی ذات پر نظر بندی کا اثر

حضرت مولانا ایک سن رسیدہ بزرگ ہیں اسوقت انکی عمر ۶۰ - ۷۰ کے درمیانی مراحل طے کر رہی ہے اِس عمر میں مولانا کو حالت نظر بندی یا قید میں رکھنا ظاہر ہے کہ اونکی جسمانی اور روحانی حالت کو صدمۂ عظیم پہونچانا ہے۔ مولانا کی صحت وغیرہ حالات پر گورنمنٹ کی جانب سے کوئی روشنی نہیں ڈالی جاتی اور اِس وجہ سے کہ وہ دور دراز مسافت پر قاہرہ اور پھر مالٹا میں رکھے گئے ہیں

اون کے متعلقین کو دوسرے ذرائع سے بھی اون کی حالت معلوم کرنا مشکل ہے
مولانا کے خطوط اگرچہ آتے ہیں اور اون میں مولانا یہی تحریر فرماتے ہیں کہ
میں خیریت اور آرام سے ہوں" لیکن یہ اُس مقدس بزرگ کے الفاظ ہیں جو
کڑی سے کڑی مصیبت اور سخت سے سخت حالت کو بھی ظاہر نہیں کرتے اور
اپنی تمام تکالیف اور مصائب کا صبر و شکر سے مقابلہ کرتے ہیں اور ہر قسم کی
چھوٹی بڑی تکلیف کو خدا کی طرف سے خیال فرماکر کبھی حرف شکایت زبان پر
نہیں لاتے اور نہ صرف لسان الحال بلکہ زبان قال سے ہر وقت یہی کہتے رہتے
ہیں ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو — دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

اور احکام قضا و قدر کے سامنے سر تسلیم خم کئے رہتے ہیں۔ اسکے علاوہ حضرت مولانا
کو یہ خیال بھی ہوگا کہ میرے بچے اور گھر والے میری تکلیف کی خبر سے بے چین
ہو جائیں گے۔

ہمکو اونکے پہلے حالات کا تجربہ ہے کہ دولت خانہ پر تشریف رکھنے کے
زمانہ میں سخت سے سخت بیماری کی خبر بھی اپنے متعلقین و خدام کو نہ دیتے اور
نہ کسی حاضر باش کو یہ اجازت ہوتی کہ وہ کسی کو خبر دے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا کی بغل میں پھوڑا نکلا اور اُس میں
شگاف کی نوبت آئی اور نہایت سخت تکلیف ہوئی آپ تو بھلا کسی کو کیوں
خبر دیتے ایک خادم نے حضور سے بغیر دریافت کئے دہلی میں آپکے خدام کو
بذریعہ خط کے اطلاع کردی۔ خدام یہ معلوم کرکے بے چین ہو گئے اور ایک

جماعت بغرض عیادت دیوبند پہونچی۔ آپ خلاف معمول ایک دم اس جماعت کی حاضری سے متعجب ہوئے اور فرمانے لگے کہ کس بے وقوف نے میری تکلیف کی اطلاع آپ صاحبوں کو کرکے خواہ مخواہ تکلیف دی۔

اس بنا پر گمان غالب ہے کہ اگر مقام نظربندی میں آپ کو کوئی تکلیف بھی ہوگی تو نہ خود تحریر فرمائینگے اور نہ ہمراہیوں کو اجازت ہوگی کہ وہ لکھیں +

مولانا کے ہمراہی

حضرت مولانا کے ہمراہیوں میں مولوی حسین احمد صاحب اور مولوی وحید صاحب بھی ہیں یہ دونوں مہاجرین مدینہ طیبہ میں سے ہیں اور اگرچہ مولوی وحید (جو بغرض طالب علمی ہندوستان آئے ہوئے تھے) حضرت مولانا کے ساتھ عرب کو گئے تھے۔ مگر مولوی حسین احمد صاحب تو مدینہ طیبہ ہی میں مقیم تھے اور وہاں سے حضرت مولانا کے ہمراہ مکہ معظمہ تک محض خدمت گذاری کے خیال سے آئے تھے۔ اور چودھری نصرت حسین صاحب تو مولانا کی روانگی جدہ سے صرف تین چار روز پہلے ہی مولانا کے مکان میں آئے تھے اور جیسا کہ آنریبل سید رضا علی صاحب کے سوال کے جواب میں مولانا کے ہمراہیوں کے طرز عمل کے خلاف کچھہ کہا بھی نہیں گیا جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اون کے متعلق عمال گورنمنٹ کو بھی کوئی شکایت نہیں ہے پھر کیا وجہ ہے کہ اون کو آزادی سے محروم کرکے نظربند بلکہ قیدی کی حیثیت میں رکھا گیا ہے کیا یہ طرز عمل اور استبدادی کارروائی گورنمنٹ برطانیہ کی روایات آئین طرازی

سے کچھ تعلق رکھتی ہے ؟

اسی طرح مولوی عزیر گل ایک طالب علم ہیں جو مولانا کی خدمت میں پڑھتے تھے اور ایک باکمال اُستاد سے تحصیل علم کے شوق میں مولانا کے ہمراہ سفر حجاز اختیار کیا اون کے متعلق بھی حکم نظربندی کھُلّم کھُلا تحکم نہیں تو اور کیا ہے ۔

مولانا کی صفائی باطنی اور اطمینان قلب

(۱) جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے مولانا کا ارادہ کچھ دنوں جوار رب العزت میں رہنے کا تھا مگر بارادہ ہجرت تشریف نہیں لے گئے تھے ۔ خود مولانا نے متعدد شخصوں کے سوال کے جواب میں یہی فرمایا تھا کہ میں ہجرت کے ارادہ سے نہیں جاتا ہوں اور یہ اونکی صاف باطنی کی واضح دلیل ہے ۔

(۲) مولانا کے متعدد خطوط جو ہندوستان پہونچے ہیں اور سنسر کی مُہر بھی اُن پر لگی ہوئی ہے ان خطوط میں حضور اقدس اپنے بچوں نواسیوں نواسوں و دیگر متعلقین کو تسلی دیتے ہوئے بھی امید ظاہر فرماتے رہے ہیں کہ میں عنقریب تم لوگوں سے ملنے والا ہوں یا عنقریب خدا تعالیٰ ہمیں تمہیں خوشی کے ساتھ اکھٹا کر دیگا ۔ یہ الفاظ اس امر پر کافی روشنی ڈالتے ہیں کہ مولانا کو اپنی بے گناہی کا پورا یقین اور اون کا ضمیر نتیجہ کی طرف سے بالکل مطمئن ہے اور سرکاری سنسر نے بھی حضور اقدس کی ان امید آمیز عبارتوں سے تعرض نہیں کیا ۔

(۳۳) حضرت مولانا کی تمام زندگی علوم و معارف کی تعلیم و تلقین میں گذری آپ کی ذات ستودہ صفات اسلامی برکات کی مجسم تصویر ہے کبھی راہ حق سے ایک بال برابر بھی آپ کا انحراف کسی نے محسوس نہیں کیا۔ آپ ہمیشہ اپنے شاگردوں مریدوں متعلقین کو وفاء عہد، ادا امانت، اتباع حق کی تعلیم اور نصیحت فرماتے رہے اور ان تمام امور اور اوصاف حسنہ کے لیئے اپنی ذات کو عملی نمونہ بنائے رہے تھے۔

ان حالات پر نظر کرتے ہوئے غیر ممکن ہے کہ اونکی طبیعت میں ایک لمحہ کے لیئے بھی بغاوت یا نقض عہد کا خیال گذرنے کا یقین کیا جا سکے ہاں یہ ضرور ہے کہ ایک مسلمان کو بحیثیت مسلمان ہونے کے اپنے تمام مسلمان بھائیوں سے مذہبی اور روحانی محبت ہونی لازمی ہے اور ہر مسلمان اپنے کلمہ شریک بھائی کو روحانی حیثیت سے اپنا بھائی سمجھتا ہے۔ خواہ وہ مغرب بعید کا رہنے والا ہو یا مشرق اقصیٰ کا اور یہ ایسا رشتہ اخوت ہے کہ اسکو کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی توڑ نہیں سکتی۔ اس لحاظ سے اگر ایک فدائے ملت پاکباز ہستی کو اپنے مسلمان بھائیوں سے مذہبی ہمدردی ہو خواہ وہ ترک ہوں یا مصری ایرانی ہوں یا روسی۔ مراقش کے مسلمان ہوں یا طرابلس کے تو اس میں کونسا سیاسی جرم ہے۔ سیاسیات کا حلقہ اثر جدا ہے اور مذہب و روحانیات کا جدا۔ تو پھر کیا وجہ کہ مسلمان محض اس روحانی اور مذہبی ہمدردی رکھنے کی وجہ سے پولٹیکل مجرم قرار دئے جائیں اور اون کے ساتھ حربی قیدیوں کا سا معاملہ کیا جائے۔ حالانکہ مسلمانوں نے ملکی قوانین کی انتہائی پابندی کی بنا پر موجودہ جنگ کے زمانہ میں ترکوں کے ساتھ اپنی مذہبی ہمدردی

اور روحانی دلسوزی ظاہر کرنے میں بھی نہایت احتیاط سے کام لیا ہے اور محض اس خیال سے کہ اس وقت بین قلبی اور روحانی تعلق کے اظہار میں غلط فہمی کا احتمال ہے اپنے جذبات کو دبایا ہے۔

آخر میں تبرکاً ہم حضرت مولانا کا ایک والا نامہ درج کرتے ہیں جس کا مطالعہ ہر مسلمان کے لیے باعث سعادت ہوگا۔ اور اس ہی پر اس رسالہ کو ختم کرتے ہیں:۔

حضرت مولانا کا ایک خط

حضرت اقدس کا والا نامہ جو مالٹا سے بنام جناب مولوی حکیم محمد حسن صاحب آیا تھا اُس کا اقتباس حسب ذیل ہے:۔

الحمد للہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین۔ !!

ازخ معظم۔۔۔۔۔۔۔ اکرمکم اللہ۔ وسلم

کل انتظار مدید کے بعد آپ کا خط ساتویں جمادی الاول کا لکھا ہوا ہم کو مالٹا میں ملا سب کی خیریت مجمل معلوم ہو کر مسرت ہوئی۔ الحمد للہ! عزیز مسعود کے بعد تقریباً چھ ماہ میں آپ کا خط آیا۔ بہت غنیمت معلوم ہوا بقول شخصے

یوں اسیران قفس تک کوئی پہونچا گلبرگ   جیسے غربت میں شفیقان وطن کا کاغذ

چند خطوط میں نے اور بعض رفقا نے اور بھی روانہ کئے ہیں۔ غالباً پہونچے ہوں گے بالجملہ ہم سب بحمد اللہ خیریت سے ہیں اور راحت سے ہیں۔ آپکو خط[1] لکھنے کے

---

[1] اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے مصر سے بھی کوئی خط مکان کو روانہ فرمایا ہے۔ مگر جہاں تک ہمیں معلوم ہوا ہے کہ مصر کا لکھا ہوا کوئی خط ہندوستان نہیں پہونچا ہے اسلیئے ممکن ہے کہ اس عبارت سے خط لکھنے سے کسی ہمراہی کا خط لکھنا مراد ہو نہ خود مولانا کا۔

پندرہ بیس روز بعد یہ ہوا کہ ہم لوگ مصر سے کچھ ترقی کر کے مالٹا آ گئے ہیں۔ مسافت تو کچھ بڑھ گئی مگر تکلیف کچھ نہیں بلکہ یہاں راحت زیادہ ہے۔ الحمدللہ گو اس عرصہ میں حالات وطن سے بے خبری رہی مگر دور دراز کے وہ حالات معلوم ہوئے جو خواب میں بھی نہ دیکھے تھے۔ آدمی جب تک زندہ ہے حرکت زمانی تو کسی وقت رکتی نہیں مگر حرکت زمانی اور حرکت مکانی دونوں ملکر بہت سے انکشافات جدیدہ کی موجب ہو گئیں شعر

ستبدی لك الایام ما کنت جاھلا
ویاتیك بالاخبار من لم تزود

ترجمہ عنقریب زمانہ بہت سی نامعلوم باتیں تجھ پر ظاہر کر دے گا۔ اور تجھے وہ شخص خبریں دے گا جسے تو نے کوئی توشہ یا اجرت بھی نہیں دی ۱۲۔

سعد و اسباق و دیگر مشاغل میں اچھی طرح گذر رہی ہے۔ ادھر وترجون من اللہ مالا یرجون کا مبارک سلسلہ بھی ایسا نہیں کہ جو کسی وقت منقطع ہو جائے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔

گھر میں سب کو اور مکان میں بچوں کو سلام کہہ دو۔"

اس والا نامہ میں اپنے اسم گرامی کے ساتھ حضرت مولانا نمبر ۲۲۱۹
تحریر فرماتے
ہیں غالباً یہ نمبر اسیری
کا ہوگا۔

حضرت مولٰنا کے ایک خادم نے اپنے دردِ دل کا اسطرح اظہار کیا ہے

اَلَا یَا مَالْٹَا! طُوْبٰی وَبُشْرٰی ثَوٰی بِکِ مَنْ مَحَا آثَارَ کُفْرٍ

ہاں اے مالٹا! تجھے مبارکباد اور خوشخبری ہو کیونکہ تیرے اندر وہ بزرگ مقیم ہے جس نے کفر کے نشان مٹا دیئے

وَلَمْ تَکُ قَبْلَہٗ اِلَّا خَرَابًا خُمُوْلًا غَیْرَ مَعْرُوْفٍ بِخَیْرٍ

اس سے پہلے (مالٹا) ایک ویرانہ اور گمنام مقام تھا جس کی کوئی بھلائی معروف و مشہور نہ تھی۔

فَلَمَّا حَلَّہَا عَادَتْ رِیَاضًا مُنَضَّرَۃً مِّنَ التَّقْوٰی وَذِکْرٍ

جب اس نفسِ مقدس نے اس میں نزول فرمایا تو وہ ذکر اللہ اور تقوے کا سرسبز باغ بن گیا

مُکَلَّلَۃً بِاَزْہَارِ الْمَزَایَا وَاَزْہَارُ الْمَزَایَا خَیْرُ زَہْرٍ

ایسا باغ جسمیں تمام اوصافِ حمیدہ کے پھول کھلے ہیں اور درحقیقت فضائل کے پھول بہترین پھول ہیں

اَلَا یَا مَالْٹَا! کُوْنِیْ سَلَامًا عَلٰی مَحْمُوْدِنَا الرَّاضِیْ بِقَدْرٍ

ہاں اے مالٹا! تو ہمارے مقتدا مولانا محمود حسن پر جو خدا کے حکم پر سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں مجسم سلامتی بن جا

اِمَامُ الْخَلْقِ قُدْوَتُہُمْ جَمِیْعًا لَہٗ کَرَمٌ اِلَی الْآفَاقِ یَسْرِیْ

حضرت مولانا موجودہ مخلوق کے امام اور پیشوا ہیں ان کا نعمتِ کرم دنیا کے کناروں تک پہنچا ہوا ہے۔

جُنَيدُ العصرِ سرّيُّ الزمانِ　　غيوثُ فيوضِهِ تهمي وتجري

اس زمانہ کے جنید اور سری سقطی آپ ہی ہیں۔ آپکے فیوض کی بارشیں برستی اور بہتی ہیں

فريدٌ في خلائقِهِ العِذابِ　　وحيدٌ في التقى من غيرِ فخرِ

اپنی شیریں عادات میں فرد اور تقویٰ اور پرہیزگاری میں یکتائے زمانہ ہیں

أشدُّ الناسِ أمثلُهم بلاءً　　فيا شمسَ الهدى يا طودَ صبرِ

جو شخص مخلوق میں برگزیدہ ہوتا ہے اسپر مصائب بھی سخت ہوتی ہیں تو اے ہدایت کے آفتاب اور صبر کے ثابت قدم پہاڑ!

ذكرنا يوسفَ الصدّيقَ لمّا　　أُسِرتَ بغيرِ استحقاقِ صبرِ

ہمیں حضرت یوسف علیہ السلام یاد آگئے جبکہ آپ کو بغیر اظہار کسی جرم کے قید کرلیا گیا

لحرِّ البينِ في صدرِ الكئيبِ　　تفيضُ دموعُهُ حُمرًا كجمرِ

اُس غم فراق کی گرمی سے جو محب غمگین کے سینہ میں جاگزیں ہے اسکے آنسو انگاروں کی مانند سرخ بہتے ہیں

سيُنزِلُكَ العزيزُ محلَّ عزٍّ　　وينصرُكَ النصيرُ أعزَّ نصرِ

عنقریب خدائے عزیز آپ کو مقام عزت میں جگہ دیگا۔ اور خدائے نصیر آپ کی قوی مدد فرمائیگا

سيكفيكَ الإلٰهُ فأنتَ مَن　　كفاكَ اللهُ قِدمًا كلَّ شرِّ

اور عنقریب خدا تعالیٰ کی مدد آپ کو کافی ہوگی۔ کیونکہ آپ وہ شخص ہیں جسے خدا نے ہمیشہ ہر قسم کے شر سے بچایا

تصاویر

مولوی محمد علی و شوکت علی صاحبان کی اصلی
تصاویر برائے فروخت دفتر میں موجود ہیں۔
قیمت اعلیٰ قسم (برومائڈ) دو روپیہ ؏ قیمت معمولی قسم ایک روپیہ ؏

حضرت مولنا ابو الکلام آزاد ایڈیٹر الہلال قیمت دو روپیہ ؏

مسٹر اقبال شیدای بی۔ اے جو سیالکوٹ میں
نظر بند ہیں قیمت فی تصویر ایک آنہ ۱ر

تصاویر کے کارڈ مسٹر محمد علی و شوکت علی صاحبان کی اصلی تصاویر کارڈ پر خاص اہتمام سے تیار کی گئی ہیں۔ دو کارڈ کا ایک سٹ
قیمت فی کارڈ ۲ر (دو آنہ) دو کارڈ کا پورا سٹ قیمت چار آنہ (۴ر)

سلسلہ اعانات نظربندان اسلام میں اکثر کتابیں اور رسایل شایع
کیے جانیوالے ہیں۔ آپ صدر دفتر انجمن اعانت نظربندان اسلام فتحپوری دہلی ایک
کارڈ بھیجکر اپنا نام درج کرا لیجیے جو کتاب شایع ہوگی اسکی اطلاع آپکو فوراً دی جایگی۔

المشتہر تاج الدین سپرنٹنڈنٹ صدر دفتر انجمن اعانت نظربندان اسلام فتحپوری دہلی

دوبارہ چھپکر تیار ہے

پہلا ایڈیشن جو کہ دو ہزار چھپا تھا پندرہ دن میں ختم ہوگیا
اب دوسرا ایڈیشن نئی آب و تاب کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے

سلسلہ حالات نظربندان اسلام

نمبر (۱) (انگریزی ایڈیشن) نمبر (۲) (اردو ایڈیشن)

محمد علی و شوکت صاحبان کی نظربندی

چند اہم خطوط

کتاب کے شروع میں جناب محمد علی و شوکت علی صاحبان کی اعلیٰ
عکسی تصویر عمدہ چکنے کاغذ پر دی گئی ہے

قیمت ۴ر

ہندوستان کے معتبر اخبارات کی رائیں

جمہور انجمن اعانت نظر بندان اسلام دہلی سے ایک مطبوعہ رسالہ ہمارے پاس آیا ہے اس میں مسٹر شوکت علی اور مسٹر محمد علی کی نظر بندی کے سلسلہ کے چند اہم خطوط درج ہیں جنکی فہرست ذیل میں درج ہے :-

(۱) آبادی بانو بیگم صاحبہ کا خط مسز سروجنی نائیڈو کے نام ۔
(۲) دوسرا خط ایضاً
(۳) سی آئی ڈی کے افسر کے جانے کے بعد ان کا بیان ۔
(۴) مسز بیسنٹ کی ملاقات وائسرائے سے ۔
(۵) آبادی بانو بیگم صاحبہ کا خط مسز بیسنٹ کے نام ۔
(۶) مسٹر گاندھی کا مسز بیسنٹ کے نام ۔
(۷) آبادی بانو بیگم صاحبہ کا خط مسٹر مہرادے کے نام ۔
(۸) پیام جو آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ کلکتہ میں پڑھا گیا ۔

اس رسالہ کے دیباچہ میں مسٹر تاج الدین صاحب سپرنٹنڈنٹ سنٹرل بیورو تحریر فرماتے ہیں یہ خطوط برادران اسلام کی خدمت میں اس لیے پیش نہیں کیے جاتے کہ وہ ان ہزاروں رسائل و کتب کی طرح جس سے بازار بھرے پڑے ہیں ایک نظر دیکھے جائیں اور طاق نسیاں پر رکھدیے جائیں اس رسالہ کو اس امید کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے کہ لوگ اسکو پڑھیں گے اور سمجھیں گے کہ انھوں نے خادمان ملت کے لیے اسوقت تک کیا کیا ہے اور آیندہ ان کو کیا کرنا چاہیے ۔ اس تحریک اور اس احساس کا پیدا کرنا ہی انجمن اعانت نظر بندان اسلام کا مقصود و اصل ہے ۔ حضرت مولانا محمود حسن مولانا ابو الکلام مولانا حسرت موہانی اور نظر بندان اسلام کے متعلق بھی اس قسم کے مختصر مگر پُر از معلومات رسایل تیار کیے جا رہے ہیں جو عنقریب شائع ہو جائیں گے ۔ مذکورہ بالا رسالہ سلسلہ نظر بندان اسلام کا پہلا نمبر ہے جیسا کہ مسٹر تاج الدین صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے ۔ دیگر رسائل بھی تیار ہیں اور عنقریب شائع ہو جائیں گے ۔ مخلد دیگر کاموں کے نظر بندوں کے متعلق ایک یہ بھی کام ہے

کہ نظر بندوں کی قومی خدمات اور ان کے متعلق گورنمنٹ کے ناجائز طرز عمل کو عوام پر ظاہر کر دیا جائے اور شکر ہے کہ اس کام کو سنٹرل بیورو نے اپنے ہاتھ میں لیا ہے اور عملی کام کی ابتدا کر دی ہے۔ اس سلسلہ میں سنٹرل بیورو نے جو پیش قدمی کی ہے اس کے لیے اراکین سنٹرل مبارکباد کے مستحق ہیں سلسلہ نظر بندان اسلام کا پہلا نمبر جار آنہ ۴ ٹکٹ پر دفتر سنٹرل بیورو سے طلب کیا جا سکتا ہے گو اس رسالہ کی قیمت بہت کم رکھی گئی ہے تاہم اسکی غرض یہی ہے کہ ان رسائل کی فروخت سے سرمایہ نظر بندان اسلام کو مدد ملے۔ اس رسالہ میں جو چھپائی اور لکھائی کے اعتبار سے بھی اچھا ہے مسٹر شوکت علی اور مسٹر محمد علی کی عکسی تصویر بھی شامل کی گئی ہے۔ مسلمانوں کو اس رسالہ کی خریداری کی طرف خاص طور پر متوجہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اس رسالہ کی خریداری سے ایک طرف وہ مسٹر محمد علی و شوکت علی کی حالات اور گورنمنٹ کے رویہ کا علم حاصل کر سکتے ہیں اور دوسری طرف وہ سرمایہ نظر بندان اسلام کو بالواسطہ امداد بہم پہنچا سکتے ہیں۔ اس لیئے اس رسالہ کی خریداری ہم خرما و ہم ثواب کی مصداق ہے ؛

صداقت صدر دفتر انجمن اعانت نظر بندان اسلام دہلی سے ہمیں آج "چند اہم خطوط" کا ایک نسخہ بغرض ریویو موصول ہوا ہے جس میں مسٹر شوکت علی و محمد علی کی نظر بندی کے متعلق وہ معرکۃ الآرا خطوط شائع کیئے گئے ہیں جو صرف پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں

"چند اہم خطوط" کے دیباچہ کا حسب ذیل اقتباس ارباب بصیرت کے لیئے ایک کافی اشارہ ہے:
محمد علی اور شوکت علی صاحبان کی نظر بندی کے متعلق مسلسل اور مستند واقعات
کو ایک ترتیب کے ساتھ ناظرین کے سامنے پیش کر دینا ان خطوط کی اشاعت
کا ایک مقصد ہے۔ خاتون محترمہ آبادی بانو بیگم صاحبہ سر سبرامنی آئیر اور مسٹر گوکلے
نے جو نظر بندان چھندواڑہ کے عزیز دوست اور مشہر قانونی ہیں اپنے خطوط
میں جن واقعات کو پبلک کے سامنے پیش کیا ہے وہ درحقیقت اہل بصیرت کے
لیئے اس تاریخ ہند کا ایک اہم جزو ہیں جو ہندوستان کا آیندہ مورخ لکھے گا۔ تاریخ
ایک اقتدار پسند جماعت حکام کے جبر و تشدد کی عبرت انگیز تاریخ ہوگی اور یہ تمام خطوط
نہایت قیمتی تاریخی شہادتیں ہیں جو اس مورخ کے ہاتھ میں جائیں گی اور آنیوالی نسلیں
اس تاریخ کو پڑھیں گی اور رنج کے گرد آلود مطلع پر مستقبل کے آفتاب عالمتاب کا طلوع دیکھینگے

دیکھیں گی۔"

ہر تعلیم یافتہ مسلمان بھائی کو چاہیے کہ وہ ان خطوط کو منگائے اور غور سے پڑھے رسالہ میں مسٹر محمد علی مسٹر شوکت علی کی عمدہ اور صاف تصویر دی گئی ہے قیمت صرف ۴ر چونکہ یہ قیمت امانت نظر بندان اسلام کے سرمایہ میں داخل کی جائے گی اسلئے اس رسالہ کی خریداری ایک ایسا فرض ہے جس سے پہلو تہی کرنا نظر بند بھائیوں کی مدد سے منہ موڑنا ہے رسالہ کا انگریزی ایڈیشن بھی مع تصویر چھپتا ہے جس کی قیمت صرف ۴ر ہے خود منگائیے اور اپنے دوستوں کو منگانے کی ترغیب دیجیے۔ کار خیر میں توقف نہیں ہونا چاہیے۔

تمہید

پھر بجہاں را نباں واری وسلے چو دیا ندیستی مہ بحل لبے خود در آ تا قبلہ روحانیان بینی

جب تیز و تند ہوائیں چلتی ہیں چاند کی کرنیں سطح سمندر پر لوٹتی ہیں اور موسم حد اعتدال سے گزرتا ہے تو پرسکون سمندر میں مد و جزر پیدا ہوتا ہے اور کوہ پیکر موجیں اور ہولناک مہیب شور و غوغا پیدا کر دیتی ہیں۔ پھر یہی وہ طوفان ہے جو سمندر کی تہ کے خزانے اور صدف ہائے گوہر کو نکال کر سطح بالا پر لاتا اور ساحل پر پھینک دیتا ہے۔

بعینہٖ یہی حالت اقوام و ملل اور معمورۂ ارض کی ہے کہ جب جور و تشدد حد سے زیادہ گزر جاتا ہے پرجلال آفتاب حکومت کی تیز شعاعیں رعایا کو جھلسنے لگتی ہیں عدل و انصاف کی بجائے ظلم و عدوان کی ہوائیں چلتی ہیں تو کرۂ ارض پر بھونچال آتا ہے امن و سکون کی سطح متزلزل ہوتی ہے اور خدا کی پاک زمین اپنے خاص فرزندوں کو اپنی آغوش سے نکالتی ہے کہ وہ انہیں اس استبداد و جور کی بلاؤں سے نجات دلائیں۔

چنانچہ وہ اٹھتے ہیں اور اپنا کام شروع کرتے ہیں مگر مطلق العنانہ شہنشاہانہ قوتیں انہیں بالجبر دباتی ہیں کذب و بطلان کے عفاریت انہیں پامال کرنا چاہتے ہیں۔ مغرور ہستیاں اپنے قوی پاؤں سے انہیں کچلتی ہیں۔ لیکن نصرت الٰہی کا مقدس ہاتھ انہیں ابھارتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک طرف مظلومیت و بیکسی انصاف ہوتا ہے اور دوسری طرف پرشکوہ جور و استبداد ۔ اس طرح حق و کذب۔ صداقت و بطلان عدل و جور اور انصاف و ظلم میں معرکہ آرائی شروع ہوتی ہے اور اس نامحسوس مگر شدید خوفناک جنگ کا انجام وہی ہوتا ہے جو دنیا کے اول ظالم ہابیل سے لیکر چنگیز کے عہد تک ہوا۔ اور اسکی صدہا مثالیں تاریخ عالم تمہارے سامنے پیش کر سکتی ہے۔

ہر قوم و ملک کے لیئے یہ وقت عجیب و غریب عبرتوں کا دور ہوتا ہے اور اس عہد کا ایک ایک لمحہ عظمت دنیا کی ایک پوری تاریخ اپنے اندر رکھتا ہے پھر تم کیا خیال رکھتے ہو ان اشخاص کی نسبت جو اس انقلاب کے بانی ہوں۔ اس صداقت کے مبلغ اول ہوں اور کسی قوم یا کسی ملک کی کامیاب تاریخ جدید کا آغاز اُن کے نام سے ہو۔

جو لوگ ارباب فہم اور اصحاب عقول ہیں وہ اس انقلاب آفریں دور کے ہر صفحہ کو اپنے سینہ سے لگا کر محفوظ رکھتے ہیں اور اس وقت کی ہر آن کو غور و فکر کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ حرکت زمانہ کی ہر لہر جو سامنے سے گزر جاتی ہے وہ ایک زبردست پیغام حیات اپنے ساتھ لاتی ہے لیکن جن کی آنکھیں عظمت و عبرت کی روشنی سے محروم ہیں وہ اس زریں عہد کو اپنی خود فراموشی پر قربان کر دیتے ہیں اور قیمتی و بیش بہا لعل و جواہر کو استغنا کے پتھروں سے پیکر خاک بنا کے اُڑا دیتے ہیں اگر زندہ دل یورپ آخری تباہ کن اصول پر عمل کرتا تو آج دنیا انگلستان کے لوتھر اور آوسکی داستان مصیبت سے واقف ہوتی۔ اٹلی کا میزنی تاریخ میں وہ شہرت حاصل نہ کرتا جو اسکو حاصل ہوئی۔ یہاں تک کہ اُس کے گمنام و دیہاتی مولد کو یہ کتبہ لگا کر زندہ جاوید بنا دیا جاتا کہ

یہ پاک میزنی کا مولد ہے

نیز انقلاب فرانس ۱۷۸۹ء آج تاریخ میں محفوظ نہ ہوتا۔ اور اسکے اولو العزم بانیان انقلاب کے کارنامے دنیا کی تاریخ میں روشن نہ ہوتے۔ پس مدعی حریت یورپ کے طرز عمل نے ہمیں بتایا ہے کہ ہم بھی اپنے لیڈروں کے حالات کی جستجو کریں۔ تاکہ زمانہ کا ہاتھ ان کے کسی اصلی و حقیقی واقعہ کو گم نہ کر دے علاوہ ازیں قرآن کریم نے انبیاء سابقین اور صلحاء گذشتگان کے حالات بیان کر کے ہمیں سبق دیا ہے کہ ہم بھی اپنے سابقہ یا آئندہ ہادیان قوم اور پیشوایان ملت کے حالات کی حفاظت کریں اور تلاش و جستجو کر کے ان کو بالترتیب جمع کر دیں۔ تاکہ آئندہ نسلیں ان خاموش حروف یا بے زبان تاریخی صفحات سے زندگی کی روح حاصل کریں۔ لیکن یہ سُنکر آپ کو تعجب ہوگا کہ انصاف پسند برطانیہ جس اصول کو اپنے لیے پسند کرتی ہے اسپر بعض جگہ فیاضانہ عمل نہیں کیا جاتا۔

سنٹرل بیورو نے نظر بندوں کے حالات نظر بندی کے متعلق امپیریل کونسل اور پراونشل کونسلوں میں سوالات کا سلسلہ شروع کرا دیا ہے اور آجکل سرمائی سیشن کے اجلاسوں میں متعدد انتخابی ہندو مسلم ممبروں نے سوالات کیے ہیں مگر افسوس کہ ہر جگہ طریقہ جواب نہایت یاس انگیز ہے سابقہ نوٹ میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ

امپیریل کونسل دہلی میں آنریبل راجہ صاحب محمود آباد و میر اسد علی صاحب بہادر اور مسٹر سریندر ناتھ بنرجی نے نظر بندوں کے متعلق سوالات کئے مگر جواب ملا کہ تفصیلی حالات عام طور پر مشتہر کرنا مفاد عامہ کے خلاف ہے۔

غریب رعایا کا دماغ شاید اس مفاد عامہ کے معنی نہیں سمجھ سکتا اور اس عقدہ کو وہی دماغ حل کر سکتا ہے جو ایوان حکومت میں پہنچکر حکومت کے نشہ میں غرق رہتا ہے اور وہ نہیں خیال کر سکتا کہ اس قدر راز میں رکھنے والے جواب سے رعایا کے جذبات پر کس قسم کی بجلی گرا سکتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ کسی ملزم کو سزا دینا تو مفاد عامہ کے خلاف نہیں لیکن اسکا جرم بتانا مفاد عامہ کے خلاف ہے۔ اگر اس "مفاد عامہ" کے وہی معنی ہیں جنکو لغت لکھ چکا ہے تو پھر ظاہر ہے کہ نظر بند یا تو کوئی جرم رکھتے ہیں یا نہیں۔ اگر واقعی مجرم ہے تو اسکے اعلان و اشتہار دینے سے دوسروں کو عبرت ہوتی اور یہ سازش کم ہو جاتی ہے لیکن اگر کوئی مجرم درحقیقت نہیں ہے (جس کا نہ بتانا اس احتمال کو قوی کرتا ہے) تو دنیا حیران ہوگی کہ پھر ان کو حکومت برطانیہ کے سایہ میں کس لیے نظر بند کیا گیا ہے اگر محض سیاسیات کو نظر بند کیا گیا ہے تو گو یہ طریقہ انصاف کے خلاف ہے لیکن اسکا اظہار مفاد عامہ کے پھر بھی خلاف نہ تھا کم از کم ہندوستان کی وفادار رعایا کو یہ تو معلوم ہو جاتا کہ بعض اشخاص کو بلا جرم بھی محض سیاسی لیڈر بنکر لوگوں کو بہکانے کے لیے نظر بند کر دیا گیا ہے۔ پس کیا سر ولیم وینسنٹ مہربانی فرماکر یہ بھی تشریح فرمانا گوارا کرینگے کہ "مفاد عامہ" کا لفظ کس لغت کی رو سے استعمال کیا گیا ہے۔

حال ہی میں بنگال کونسل کا اجلاس ہز ایکسلنسی لارڈ رونالڈشے گورنر بنگال کی زیر صدارت ہوا مختلف سوالات کئے گئے۔ آنریبل بابو مہا چند پال نے نظر بندوں کے متعلق سوال کیا کہ انکی تعداد قانون تحفظ ہند کے نفاذ سے اب تک کتنی ہے؟ اور ان کے جرائم کیا ہیں؟

جواب میں یہ تو بتا دیا گیا کہ تحفظ ہند کی بے پناہ تلوار کے شہید اس قدر ہیں؟ لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ ان کی شہادت کی وجہ کیا ہے؟ یعنی جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ

"نفاذ قانون سے اب تک ۹۰ گرفتار ہو چکے ہیں لیکن گورنمنٹ اسکی تشریح مناسب نہیں سمجھتی کہ ان پر الزامات کیا عائد کئے گئے ہیں؟"

اس قسم کے جوابات سے ثابت ہوتا ہے کہ ازبس حکومت اس مسئلہ میں اپنی قدیم ضد پر قائم ہے اور اس قسم کے جوابات سے رعایا کو یہ یقین کرنے کا موقع دیا جا رہا ہے کہ مسئلہ نظر بندی میں انصاف کے ساتھ تدبر و تفکر کا بھی خیال نہیں کیا جاتا۔

گرانی کاغذ کے زمانہ میں اردو رسالہ کی قیمت مع فوٹو ۴ر اور انگریزی کی صرف ۴ر ہے۔

الخلیل

انجمن اعانت نظر بندان اسلام دہلی نے نظر بند مسلمانوں کے حالات طبع کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ یہ اوسکا پہلا نمبر آٹھ خطوط اور بیانات پر مشتمل ہے جسمیں والدہ صاحبہ مسٹر محمد علی شوکت علی کے خطوط اور مسلمانان ہند کے نام پیام۔ مسٹر گھلٹے کا خط اور دیگر دلچسپ بیانات ہیں۔ یہ خطوط اس درجہ دلچسپ ہیں کہ جن اخباروں میں چھپے اُن کے پرچے ہزارہا کی تعداد میں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوئے۔ یہ ۲۵ صفحہ کا مجموعہ عمدہ سفید کاغذ پر خوشخط چھپا ہے۔ شروع میں مسٹر محمد علی و شوکت علی کا فوٹو ہے۔ اسکے بعد اور اشاعتیں ہونگی اور تمام نظر بندان اسلام کے متعلق وہ معلومات رسائل تیار کیے جا رہے ہیں اردو خطوط ۳ر اور انگریزی ۴ر دفتر انجمن اعانت نظر بندان اسلام دہلی سے منگا لیجئے۔

نقاش

چند اہم خطوط۔ سنٹرل برو دہلی کے نام سے ہمارے ناظرین کرام ناواقف نہیں ہو سکتے۔ اس نے اپنی زندگی کا کچھ ثبوت دیا ہے۔ اس سلسلہ کو جس کے مفید ہونے میں کلام نہیں ہمارے پاس پہلا نمبر ریویو کے لیئے آیا ہے اسمیں ام الاحرار والدہ محمد علی و شوکت علی کے خطوط سر سبرامنی آئر اور مسز بسینٹ کے نام اور چند اور اہم خطوط اور بیانات ہیں اور چونکہ یہ خط حریت و آزادی کا سبق سکھلانے والے ہیں اسلیئے ہر مسلمان کا بالخصوص اور ہر ہندوستانی کا بالعموم فرض ہے کہ وہ اس کا ایک نسخہ خرید کر پڑھے کاغذ خاصہ اور لکھائی چھپائی صاف ہے حجم تقریباً ۲۵ صفحہ قیمت ۶ جو ہرگز زیادہ نہیں بلکہ کم ہے سنٹرل برو کے دفتر سے طلب کیجئے۔ ہاں رسالہ کے شروع میں مسٹر محمد علی اور اُن کے بھائی مسٹر شوکت علی کی تصویر بھی ہے۔

اخبار عام

سلسلہ حالات نظر بندان اسلام نمبر ۱ یہ سلسلہ انجمن اعانت نظر بندان اسلام کے صدر دفتر دہلی سے شائع ہونا شروع ہوا ہے جس کا یہ پہلا نمبر ہے۔ اسمیں مسٹر شوکت علی و محمد علی صاحبان جو اپنی

نظربندی کی وجہ سے نہایت غیر معمولی شہرت حاصل کر چکے ہیں ان کے متعلق جو آپکی والدہ صاحبہ بیگم محمد
آبادی بانو بیگم صاحبہ نے جو خطوط مدراس کے سر سیوا سوامی آئر صاحب مسز بیسنٹ اور مسز نہرو کے نام لکھے
تھے۔ وہ درج ہیں۔ علاوہ ازیں سی۔ آئی۔ ڈی کے افسر کی ملاقات کے بعد کے حالات اور آل انڈیا
مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ کلکتہ کے نام جو پیام تھا۔ اور مسٹر گاندھی کا خط مسز بیسنٹ کے
نام درج ہیں۔ ان خطوط کو ہم انگریزی زبان میں مختلف اخبارات میں پڑھ چکے ہیں۔ نہایت جوش و
خروش کے یہ پیغام ہیں۔ ۔ ۔ ۔ اس کتاب میں دونوں برادران کی تصویر بھی درج ہے
کیسی وضعدار صورتیں ہیں ان کے چھڑانے کے لیئے جو سرگرم کوششیں طرح طرح پر اہل اسلام کر
رہے ہیں وہ ظاہر ہیں دیکھیں کب تک گوہر مقصود بر آتا ہے۔ تمام نظربندان اسلام کیا اہل ہنود اور
کیا اہل اسلام کے ساتھ عام اہل ہند کی ہمدردی ہونا لازمی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اگرچہ غلطی کا ہو
ہو جانا ہر ایک فرد بشر سے ممکن ہے۔ لیکن گورنمنٹ عالیہ بلا وجہ کسی کو نظربند کرنا قرین انصاف
نہیں سمجھتی۔ کیونکہ ایسا کرنے سے گورنمنٹ عالیہ کو مطلق کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بلکہ مفت کی بدنامی
اٹھانا ہے بندہ اول اور دوسر خریدن کا سا معاملہ ہے۔ خداوند کریم اپنے تمام گنہگار بندگان پر
رحم فرماویں۔ یہ کتاب ۴ر قیمت پر صدر دفتر [illegible] دہلی سے مل سکتی ہے ٭

مرشد

انجمن اعانت نظربندان دہلی نے ۷۲ صفحہ کا ایک رسالہ بعنوان "چند اہم خطوط" کے
نام سے شائع کیا ہے جس میں مسٹر محمد علی شوکت علی کی عکسی تصاویر بھی ہیں
ان تصاویر کو دیکھ کر ہر حر اور اسیر الفت اسلام فرد کے بدن میں پھریریاں آنے لگتی ہیں جو
حضرت ڈاڑھی کو معمولی فروعات سمجھتے ہیں ذرا ان دونوں کی صورتیں دیکھیں کہ معمولی فروعات الٰہی چیز
ان کے چہرہ پر کس قدر بڑھ گئی ہے۔

یہ ہیں اصلی حر جنہوں نے شعائر اسلام کے احترام کو اپنے چہرہ پر قائم کر لیا ہے۔ اس کتاب
سے مسٹر محمد علی و شوکت علی کی مختصر تاریخ نظربندی اور اس کے دلکش واقعات کا علم ہر شخص کو ہو جائیگا
اور اسکو نفس حالات پر غور کرنے اور اپنے دل سے فیصلہ کرنے کی طاقت پیدا ہوگی۔ اس گراں زمانہ
میں ایسی مفید کتاب کی قیمت صرف ۴ر بہت کم ہے مگر ضرورت تھی کہ قیمت کم رکھی جائے تاکہ ہر کس و ناکس
اسکو خرید کر پڑھ سکے۔ انجمن اعانت نظربندان اسلام دہلی سے منگا لیجئے۔ اردو کتاب کی
قیمت ۴ر ہے اور انگریزی کی چار آنے (۴ر) ٭

مندرجہ بالا اخبارات کے علاوہ ہندوستان کے کل اردو اور انگریزی اخبارات نے نہایت عمدہ الفاظ میں اس کتاب پر ریویو کیے ہیں ان میں قابل ذکر مندرجہ ذیل ہیں۔

(انگریزی)۔ روزانہ بمبئی کرانیکل ینگ اینڈیا۔ ٹریبیون۔ ہوم رول۔ نیو انڈیا ہندو لیڈر۔ ایڈوکیٹ (اردو) دہلی گزٹ۔ الناظر۔ بلیٹن۔ وکیل۔ ستارہ ہند۔ مشرق وغیرہ

کتاب کی قیمت ۳ مقرر ہے

امید کہ حسب ذیل مقامات کی پبلک مندرجہ ذیل حضرات سے رسائل خرید کے انجمن کے اس مفید ترین کام کو ترقی دینے میں ساعی ہونگے۔

(۱) علیگڈھ۔ خواجہ عبدالمجید صاحب بیرسٹر ایٹ لا ٭

(۲) مسٹر عبدالسلام خان صاحب وکیل بجنور ٭

(۳) کلکتہ۔ حافظ اعجاز الدین صاحب سکریٹری انجمن اعانت نظربندان اسلام ٭

(۴) میرٹھ۔ مسٹر محمد اسمٰعیل خان صاحب بیرسٹر و سید بشیر الدین صاحب وکیل ٭

(۵) سیالکوٹ۔ آغا محمد صفدر صاحب وکیل ٭

(۶) حیدر آباد سندھ۔ مسٹر نور محمد صاحب وکیل ٭

(۷) جبل پور۔ حافظ جمیل الرحمان صاحب مدرس مدرسہ فرقانیہ بیل باغ ٭

(۸) مدراس مسٹر پی داڈیا ایڈیٹر اخبار کامن ویل۔ دفتر اخبار نیو انڈیا ٭

(۹) ناگپور۔ غلام رسول صاحب معرفت حیات برادرس فرنیچر مرچنٹ صدر بازار ٭

(۱۰) چھندواڑہ۔ مسٹر قربان حسین صاحب تاجر سکریٹری ڈسٹرکٹ مسلم لیگ ٭

(۱۱) دفتر اخبار جمہور کلکتہ ٭

ان مقامات کے علاوہ بھی کوشش کی جائیگی کہ دیگر مقامات پر اسی طرح رسائل کی فروخت کا انتظام کیا جائے۔ جن مقامات پر ابھی مقامی فروخت کا بندوبست نہیں ہوا۔ وہاں کے حضرات صدر دفتر سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں ٭

سنٹرل بیورو (دہلی)

انجمن اعانت نظربندان اسلام دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اخباری دنیا پر یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ نظربندان اسلام کے لئے قوم کی طرف سے بار بار رہائی کا مطالبہ کیا گیا مگر بالآخر یہ ماننا پڑتا ہے کہ ہماری تمام کوششیں کسی نظم کے ماتحت نہ ہونیکی وجہ سے بیکار ثابت ہوئی ہیں۔ ساتھ ہی اسکے یہ امر بھی محتاج بیان نہیں کہ متفقہ کوشش اور متحدہ آواز اپنی اہمیت کے لحاظ سے کبھی صدا بصحرا نہیں ہوتی اور واقعات بھی یہی بتلاتے ہیں کہ مسلسل اور متفقہ کوشش کرنے سے ہمیشہ مفید اور خاطر خواہ نتیجہ نکلتا ہے۔

انعقاد و مختصر حالات انجمن

نظربندان اسلام کے متعلق مسز اینی بیسنٹ کی حضور وائسرائے بہادر سے ملاقات کا نتیجہ سننے کے لئے ۴ نومبر ۱۹۱۷ء کو دہلی میں بہت سے دردمندان اسلام و اکابر قوم دور دور سے اچھی امیدیں اپنے دلوں میں لے کر آئے تھے۔ لیکن وہ دلشکن امور جو کہ مسز بیسنٹ کی ملاقات گفتگو سے معلوم ہوئے اور جو کہ اخبارات کے ذریعہ سے پبلک کے روبرو آچکے ہیں اپنا اثر کئے بغیر نہ رہے۔ لہذا ان غیور اور دردمند اصحاب نے اسی روز ایک مجلس شوریٰ منعقد کی اور اتفاق رائے سے ایک مستقل اور کام کرنے والی انجمن قائم کی جس کا نام "انجمن اعانت نظربندان اسلام" رکھا گیا۔ اور دہلی میں اسکا مرکز قرار دیکر صدر دفتر قائم کیا گیا ہے۔ اسکے تحت میں ہندوستان کے صوبوں میں انجمنیں قائم ہوئیں اور اس انجمن کے احاطۂ عمل میں متصل اضلاع اور متصلات داخل کئے گئے۔ راجہ صاحب محمود آباد نے اسکی صدارت قبول فرمائی۔ اور اسکے جنرل سکریٹری ڈاکٹر مختار احمد انصاری

اور ڈاکٹر سید عبدالرحمٰن صاحب مقرر ہوئے۔ نواب ذوالقدر جنگ بہادر اس کے خزانچی۔ اور مسٹر عبدالرحمٰن وکیل مشیر قانونی اور محاسب مقرر ہوئے۔ صدر دفتر کے کام کے لیے عبدالعلی خان صاحب اور حافظ عزیز حسن بقالی نقشبندی کا تقرر ہوا۔ ان کے علاوہ حال میں مسٹر تاج الدین کی خدمات بھی حاصل کی گئی ہیں۔ اور صدر دفتر کی عام نگرانی بحیثیت سپرنٹنڈنٹ کے ان کے سپرد کی گئی اور مسٹر منظور محمود و مسٹر عبدالسلام رئیس و میونسپل کمشنر مراد آباد گشتی ناظم مقرر ہوئے۔

انعقاد کے ساتھ ہی اس انجمن نے اپنا کام فوراً شروع کر دیا تھا اور ہر صوبہ کے کارکن صاحبان کو مفصل اطلاع جنرل سکریٹریوں نے بذریعہ متعدد تحریر کر دی تھی۔ اکثر صوبوں میں جنرل سکریٹری خود جا کر مقامی انجمنیں قائم کرائیں اور مقامی کارکن جماعت کو طریق عمل کے متعلق ہر قسم کی صلاح و مشورے دئے۔ ماتحت انجمنوں نے بھی اپنے کام جاری کر دیئے۔ مدراس۔ سندھ۔ بنارس اور دہلی کی انجمنیں خاص کر بہت عمدہ کام انجام دے رہی ہیں اور ہمیں امید ہے کہ پنجاب میں ہمارے گشتی ناظم مسٹر منظور محمود کے دورے اور کوششوں سے عمدہ نتیجہ نکلے گا۔

اغراض و مقاصد انجمن

۱۔ نظربندان اسلام کی رہائی کے لیے ہر قسم کی آئینی جد و جہد قائم رکھنا۔

۲۔ ایسے تدابیر عمل میں لانا جس سے جلد نظربندان اسلام کی رہائی ہو جائے۔

۳۔ انجمن کی شاخیں صدر دفتر کے ماتحت ہر حصۂ ملک میں قائم کرنا جو اپنے اپنے منفصلات میں باضابطہ اور موثر تحریک جاری رکھیں۔

۴۔ ہر حصہ ملک میں خواہ وہ قصبہ ہو یا قریہ جہاں بھی مسلمان آباد ہوں نظربندان اسلام کی رہائی کے لیے جلسے کرنا اور مطالبے کے تار حضور وائسرائے بہادر اور وزیر ہند کی خدمت میں بھیجنا۔

۵۔ جلسوں کی پوری کارروائیاں اخباروں اور صدر دفتر انجمن اعانت نظربندان اسلام دہلی کو بھیجنا۔

۶۔ جلسوں میں نظربندان اسلام کی اعانت کے لیے چندہ جمع کرنا اور صدر خزانچی[۱] نواب ذوالقدر جنگ بہادر بیرسٹر ایٹ لا۔۔۔۔ بہو لاک روڈ لکھنؤ کے پاس روانہ کرنا اور اسکی اطلاع اخبارات اور صدر دفتر دہلی میں بھیجنا۔

۷۔ کافی رقوم کے وصول ہونے کے بعد صدر دفتر سے نظربندان اسلام کی امداد جاری کرنا اور آئینی جد و جہد جاری رکھنے کے اخراجات ادا کرنا۔

---

[۱] نواب صاحب کے مستعفی ہونے کی وجہ سے اس عہدہ پر مسٹر عبدالرحمٰن صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل چاندنی چوک دہلی مقرر ہوئے۔

۸۔ حضور وائسرائے بہادر کی خدمت میں وفد لیجانا۔
۹۔ اخبارات میں نظربندان اسلام کے متعلق صحیح حالات درج کرنا۔
۱۰۔ نظربندان کے متعلق میموریل تیار کرانے اور کاؤنسلوں اور دیگر کاربرملک کو مطلع کرنا۔

انجمن اور اسکی شاخوں کی تفصیل حسب ذیل ہے

پریسیڈنٹ انجمن اعانت نظربندان اسلام راجہ سر محمد علی محمد خان صاحب آف محمود آباد۔

دہلی۔ صدر دفتر۔

جنرل سکریٹریان:
ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری
ڈاکٹر سید عبدالرحمن صاحب

حاذق الملک حکیم محمد اجمل خان صاحب و حاجی عبدالغفار صاحب ممبر صاحبان۔
انچارج صدر دفتر انجمن۔

صوبہ پنجاب۔ لاہور۔ آنریبل میاں فضل حسین صاحب بیرسٹرایٹ لا (۲) محمد محسن شاہ صاحب وکیل۔ سیالکوٹ۔ آغا محمد صفدر صاحب وکیل۔

صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ۔

مغربی حصہ صوبہ متحدہ۔

علیگڈھ۔ (۱) خواجہ عبدالمجید صاحب بیرسٹرایٹ لا (۲) تصدق احمد خان صاحب شروانی بیرسٹرایٹ لا۔

اٹاوہ۔ غلام پنجتن صاحب۔

مشرقی حصہ صوبہ متحدہ۔

الہ آباد۔ (۱) آنریبل سید رضا علی صاحب وکیل (۲) ظہور احمد صاحب بیرسٹرایٹ لا۔
بنارس۔ (۱) عبدالواحد خان صاحب وکیل (۲) محمد وسیع صاحب وکیل۔
گورکھپور۔ شاکر علی صاحب بیرسٹرایٹ لا۔
غازی پور۔ قمر احمد صاحب وکیل۔

روہیلکھنڈ۔ مرادآباد (۱) مولوی محمد یعقوب صاحب وکیل۔ (۲) مسعود الحسن صاحب بیرسٹرایٹ لا (۳) معظم علی خان بیرسٹرایٹ لا (۴) مولوی عبدالسلام صاحب رئیس۔

بریلی۔ (۱) عزیز احمد خان صاحب وکیل۔

اودھ۔ لکھنؤ (۱) آنریبل سید وزیر حسن صاحب ایڈوکیٹ (۲) نواب ذوالقدر جنگ بہادر بیرسٹرایٹ لاء۔

بارہ بنکی۔ شیخ ولایت علی صاحب وکیل۔

فیض آباد۔ محمد لائق صاحب وکیل۔

صوبہ بہار۔ پٹنہ (۱) آنریبل مظہر الحق صاحب بیرسٹرایٹ لاء (۲) ڈاکٹر سید محمود صاحب بیرسٹرایٹ لاء (۳) سید حسن امام صاحب بیرسٹرایٹ لاء۔

احاطہ بنگال۔ کلکتہ۔ (۱) آنریبل مولوی فضل الحق صاحب وکیل (۲) آنریبل مولوی ابوالقاسم صاحب وکیل (۳) قاضی عبدالغفار صاحب اڈیٹر جمہور (۴) مولوی محمد اکرام خان صاحب اڈیٹر محمدی۔

احاطہ مدراس۔ مدراس۔ آنریبل سیٹھ یعقوب حسن صاحب وکیل۔

احاطہ بمبئی۔ بمبئی (۱) آنریبل مسٹر محمد علی صاحب جناح بیرسٹرایٹ لاء (۲) سیٹھ عمر سبحانی صاحب۔

سندھ۔ حیدرآباد۔ (۱) آنریبل غلام محمد صاحب بھورگری (۲) نور محمد صاحب وکیل۔

کراچی۔ غلام علی صاحب چھاگلا۔

یہ تجویز کوئی معمولی تجویز نہ تھی بلکہ مسلسل اور نتیجہ خیز آئینی جدوجہد کرنے کے لیے ملک کے ہر حصہ میں ایسے اشخاص تلاش کرنا تھے۔ جو اسلامی حمیت اور قومی احساس رکھتے ہوں۔ جن کے دلوں میں حوصلہ اور ہمت ہو اور جو "انجمن اعانت نظر بندان اسلام" کے نظام ترکیبی کے پابند ہو کر ایثار کے ساتھ کام کرنے کے لیے آمادہ ہوں۔ اسلیے ارکان انجمن نے قوم کے سامنے اس تجویز کو پیش کرنے سے اسوقت تک گریز کیا۔ جب تک کہ اسکا نظام کامل طور پر مرتب نہ ہو جائے اور اسکی ماتحت انجمنیں عملی طور پر کام نہ کرنے لگیں اس انجمن کا اصلی مقصد یہ تھا کہ موثر طریقہ سے کام کرے اور نظر بندوں کی اعانت کی تجاویز عمل میں لائے نہ کہ انجمن کو مشتہر کرکے نام و نمود حاصل کرے۔

اس اعلان سے قبل پبلک کو "انجمن اعانت نظر بندان اسلام" کے وجود کا بھی علم نہ ہوتا اگر قبل از وقت ایک ہمدرد مگر بے صبر اڈیٹر نے ایک خانگی تحریر شائع نہ کرادی ہوتی۔ جس کی وجہ سے پبلک کو مجمل طور پر علم ہوا۔ اخباروں نے اظہار آرا شروع کردیا۔ اعتراضات ہونے لگے اور طعنے بھی دیے گئے جو سب خاموشی کے ساتھ سنے گئے مگر ارکان انجمن وقت کا انتظار صبر و سکون کے ساتھ کرتے رہے۔

بعض اوقات قومی معاملات میں باوجود اغراض و مقاصد کے متحد ہونے کے مختلف اثرات کی وجہ سے ناگوار اور نقصان دہ اختلاف آرا ہو جاتا ہے جن سے ان تجاویز کو نقصان پہنچ جاتا ہے۔ اس خاص تجویز کو خصوصیت کیساتھ ایسے اثرات سے بچانا مقصود تھا۔ ورنہ اس خاموشی میں کوئی راز نہ تھا اس سے قبل بھی کلکتہ میں اُس موقع پر جبکہ وہاں کی مقامی انجمن اعانت نظر بندان اسلام نے ام الاحرار یعنی فدایان قوم و سرفاران حضرت محمد علی و شوکت علی صاحبان کی والدہ محترمہ کا خیر مقدم کیا تھا "صدر دفتر انجمن اعانت نظر بندان اسلام" کے مقاصد کا مختصر اظہار کیا جا چکا ہے۔

بحمد اللہ اب انجمن اعانت نظر بندان اسلام" اپنی محنت اور کوشش کا نتیجہ قوم کے سامنے پیش کرنے کیلئے بہمہ وجوہ تیار ہے۔ اور اپنے اغراض و مقاصد کا واضح طور پر اعلان کرنا ایسی حالت میں واجب تصور کرتی ہے جبکہ اس تجویز نے عملی صورت اختیار کرلی۔ نظام عمل مکمل ہو گیا اور تمام حصہ ملک میں "صدر دفتر انجمن اعانت نظر بندان اسلام" کے ماتحت متعدد انجمنیں قائم ہو کر اپنے فرائض ادا کر رہی ہیں اور اپنے مساعی اور تحریک سے بکثرت جلسے نظر بندان اسلام کی رہائی کے لیے متواتر کرتی رہی ہیں اور آیندہ بھی انشاء اللہ ہوتی رہیگی۔ حضور وائسرائے بہادر اور وزیر ہند کے خدمات میں متعدد عرضداشتیں بذریعہ تار بھیجی گئی ہیں اور انکی اطلاعیں صدر دفتر انجمن کو موصول ہوتی رہی ہیں۔

(اپیل)

قوم کو اپنے مقاصد اور مطالبہ کی پامالی اور توہین کا پورا احساس ہو گیا ہے اور اب ہماری حالت ہمیں مجبور کر رہی ہے۔ کہ ہم پوری ہمت اور کامل استقلال کیساتھ اس اپنے اہم قومی فرض کو انجام دینے پر ہم اپیل کرتے ہیں کہ جن برگزیدہ بندوں نے قوم کی بہبود اور فلاح کے لیے گرفتار مصیبت ہو جانا اور نظر بندی کی زندگی بسر کرنا گوارا کیا۔ اور جنہوں نے قوم اور محض قوم کی خاطر اپنا تمام مال و متاع اور عیش و آرام نثار کر دیا۔ آخر ان کی ضروریات زندگی اور کچھ علائق بھی تو ہیں۔ کیا اس طرف سے غافل رہنا اور ان اسیران بلا گرفتاران آلام کو ان کی حالت پر چھوڑ دینا اور خود عیش و راحت کی زندگی بسر کرنا ہمارے لیے شرمناک نہیں ہے؟ کیا ان مبتلایان رنج و محن کا اتنا بھی ہم پر فرض نہیں کہ ہم ان کی ذاتی ضروریات کا خیال و لحاظ کریں؟ اگر ہے تو پھر افراد قوم کو اس میں بھی عملی حصہ لینا ایک اخلاقی فرض سمجھنا چاہیے۔ امید ہے کہ باہمیت افراد قوم اور درد مند مسلمان اس طرف بھی توجہ کرینگے۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

محمد عبد الرحمن جنرل

ملکی ترقی کا راز ـ قومی مشکلات کا حل
مقالات سرسید
سرسید کی قومی زندگی کا فلسفہ کیا تھا؟
کن اصول ترقی پر انکی نظر تھی؟ فروغ و عروج قومیت
کے لیے کن راہوں پر
وہ ہندوستان کو چلانا
چاہتے تھے؟ ان امور کے متعلق
ان کی تمام تصنیفات
لیکچروں تقریروں
اور مضمونوں سے ان کے
بیش بہا اقوال اور جو ملکی و قومی باہمی اتحاد و اخلاقی ـ تمدنی
معاشی علمی ادبی تعلیم و تربیت نظامی و قومی تحریک وغیرہ کے متعلق ہیں
انتخاب کر کے اس کتاب میں جمع کر دیئے ہیں از سر تا پا حب وطن کے جذبات
کامیابی و ترقی کے اصولوں سے لبریز ہے ـ
قیمت ایک روپیہ علاوہ محصولڈاک
بنانے کے لیے اپنی ہستی کو قربان کر دینا ہمارا فرض ہے ـ
یہ ہم کو آزادی و آزادیٔ رائے کی تعلیم سکھاتی ہے کہ
کس طرح آزادی کو قائم رکھ کر ہم حقیقی معنوں میں کامیاب ہو سکتے ہیں
لکھنے تقریر کرنے والے انشا پرداز مصنف ملکی و قومی
دلچسپی رکھنے والے اصحاب مصلحان قوم و مجالس ملک قوم کے بچوں
جوانوں بوڑھوں کے لیے حقیقی رہنما اور معلم ـ
اعلیٰ ولایتی کاغذ پر نہایت خوشخط چھپی ہوئی ہے
ہم خرما و ہم ثواب
اس کتاب کو جناب مولوی ضیاء الحق صاحب سابق ایڈیٹر پیشوا
نے صدر دفتر انجمن اعانت نظربندان میں اس غرض سے دیا ہے کہ اسکو
فروخت کر کے ۸ فی کتاب اعانت نظربندان کے سرمایہ میں داخل کیا جائے ـ
تاج الدین
سپرنٹنڈنٹ صدر دفتر انجمن اعانت
نظربندان اسلام دہلی

مجموعۂ کلامِ جوہر

رئیس الاحرار مولوی محمد علی بی۔ اے (آکسن)

ایڈیٹر کامریڈ و ہمدرد

اس مجموعہ میں رئیس الاحرار مولوی محمد علی صاحب کا تمام وہ کلام جمع کیا گیا ہے جو جناب ممدوح نے اپنی نظربندی کے زمانہ میں لکھا۔ اور ہندوستان کے تمام اخبارات میں شائع ہو کر مقبول ہوا۔

کتاب کے شروع میں محمد علی صاحب کی عکسی تصویر بھی عمدہ آرٹ کاغذ پر چھاپی گئی ہے۔ اس کلام کی نسبت اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ یہ اس شخص کے خیالات کا مجموعہ ہے جو اپنی اصابت رائے، قوت فکر، قابلیت، وسعت معلومات کے لحاظ سے نہ صرف ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں کا مسلمہ لیڈر ہے بلکہ ہندوستان کی دیگر اقوام بھی اسے خاص وقعت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔

چونکہ اس مجموعہ کی اشاعت کا منشا مولوی محمد علی صاحب کے اعلیٰ خیالات سے عام مسلمین کو آگاہ کرنا منظور ہے اسلئے کتاب کی قیمت صرف ۳ ؍ رکھی گئی ہے علاوہ محصول۔ کتابت، طباعت، کاغذ اعلیٰ قسم کا ہے۔ کتاب ملنے کا پتہ:۔

تاج الدین سپرنٹنڈنٹ دفتر انجمن اشاعت نظربندان اسلام فتحپوری دہلی